

پنچھی جوت در جوت اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے اور انسان گھروں سے باہر نکل رہے تھے۔ اندھیرے کے ساتھ ساتھ مارکیٹ میں رش بھی بڑھ رہا تھا۔ اپنے بازک ہاتھوں میں کئی برائڈز کے پھلے اٹھائے مدح منصور نے بے چارگی سے گندم کے خوشوں جیسی اس سنہری لڑکی کو دیکھا جو اس کو نظر انداز کرتی اس سے دس قدم آگے چل رہی تھی۔

”ایسا! اب یہاں سے کیا لیتا ہے؟“ گلاس دور دھکیلاتی ایشل جاوید کو اس نے تقریباً ”ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔

”جوتوں کی دکان سے کتابیں لیتی ہیں۔“ کمل بے نیازی سے کہتی وہ اندر کھس چکی تھی۔

”کتنے جوتے لے گی یہ لڑکی۔“ ہاتھ میں اٹھائے جوتوں کے ڈبوں کو دیکھ کر بے بسی سے سوچا۔ ایک لمبی کلر سینڈل اس نے منتخب کیے۔

”تھلا“ یہ آپ کی شادی کی شاپنگ نہیں ہے۔“ بل ادا کر کے وہ باہر نکلیں تو مدح نے اپنے اور ایشل کے ہاتھوں میں اٹھائے شاپرز کو دیکھ کر چوٹ کی۔

”یونی میں ایڈمیشن“ شادی سے بڑا واقعہ ہے۔“ سمجھنے سیاہ رہ گئی ہالوں کی ہائی یونی ٹیل کو ہلاتی وہ اپنے لاروا انداز میں بولی۔ مدح مسکراتی ہوئی پارکنگ کی طرف بڑھنے لگی۔

”کیا مطلب۔۔۔ کچھ کھلاؤ گی نہیں؟“ مدھے سے دو چار ایشل مارکیٹ کے ساتھ پر بنے ریسٹورنٹ کے باہر کھڑی رو دینے کو تھی۔ مدح نے مڑ کر دیکھا۔

”مائی کا دوبار فون آچکا ہے ایسا۔“ معذرت خواہانہ انداز میں مدح بولی۔

”اچھا اور جو صبح سے میں تمہاری یونیورسٹی میں تمہارے بورنگ دوستوں کے ساتھ تمہارے فضول سے تھسز کے لیے جمل خوار ہو رہی ہوں تب تو

سارہ حسنین

شہرِ نئے کی گلی خیر







تمہاری ماں نے ایک بھی فون نہ کیا؟“ چھوٹے منہ کے ساتھ بولتی پانچ چھ سال کی بچی لگ رہی تھی۔ مدح نے گہری سانس بھری۔ جلن سے پیاری ایشل کے اس انداز پر وہ بے بسی سے مڑی۔

”مدح۔؟“ اب وہ باقاعدہ چینی تھی، اپنا احسان جتانے والا حربہ بے اثر جاتا دیکھ کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

”یہ گاڑی میں رکھ آؤں۔؟“ اپنے ہاتھ میں پکڑے شہرزاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مدح نے اپنے مڑنے کی وضاحت دی۔

”ہرے۔۔ میری سب سے اچھی بہتا۔ تیرا کیا کہنا۔“ بریٹانی اداسی اور تھکاوٹ کے پائل چھٹ گئے اور خوشی تحقیق کی طرح اس کے تہری چہرے پر بکھر گئی۔

وہ ایسی ہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جانے والی من موٹی۔ اپنے دل کی سخی۔ اس کے لیے دل کی ممان لیتا خوش تھا۔ مدح اس سے چھ سال بڑی تھی۔ جب چھوٹی تھی تو سب نے سکھایا کہ یہ تمہاری اپنا ہے۔ لیکن وہ ایشل تھی اسے مدح کہنے سے خوشی ملتی تھی۔ سو آج تک وہ اس کی مدح ہی تھی۔

لیکن مدح ایسی نہیں تھی۔ وہ ہر طرح سے ایشل کی متغلو تھی۔ وہ گہری پلکوں، لانے بالوں والی گلابی لڑکی۔ کوئی افسانوی کردار لگتی۔ دھیسے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولتی۔ سب کو خوش رکھنے میں بلکل ہوتی جاتی۔ اور کسی افسانوی کردار کی ہی طرح چپکے چپکے کسی کی محبت کے راز کو شعروں میں ڈھالتی رہتی۔ اور کئی چیزوں کو فرض کر کے خوش ہوتی رہتی۔ واحد ایشل تھی جو بنا کے اس کے ہر راز سے واقف تھی۔

”ماں کاٹنگ۔“ ڈیش بورڈ پر بڑے اپنے موبائل کی چمکتی اسکرین دیکھ کر مدح نے ایک سیلیٹر پر دیا تو برہا دیا۔

”ایک تو میں تمہاری ماں سے بڑی تنگ ہوں یا۔۔۔ مانڈ نہ کرنا۔“ ایشل کو لڈ ڈرنک کا کھونٹ بھرتے

سامنے جاتی گاڑیوں کی بیک لائٹس دیکھتی بے نیازی سے بولی۔

”وہ تمہاری بھی کچھ ہوتی ہیں۔“ مدح ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

”ہوتی تھیں۔ آج کل تو مجھ کو کبھی بھی ایسے ہیں جیسے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔“

”اچھا فضول باتیں نہ کرو۔ تم بھی تو انہیں بہت تنگ کرتی ہو۔“ مدح نے مای کی طرف اشارہ کیا۔

”جی۔۔ جی۔۔ آج میں نے کیا تنگ کیا ہے جو فون پر فون کھڑا رہی ہیں؟“ ایشل جلی بھتی بولی۔

”تم شاید بھول رہی ہو کہ آج کیا وہ بچے کی فلائٹ سے تہینہ خالہ آرہی ہیں۔ ملا اور ماں کی پگن میں اہلپ کروانی ہے۔ اور آج عابدہ بھی نہیں آئی۔ سارے گھر کی ڈسٹنگ بھی ہونے والی ہے۔“ مدح تنکڑے بولی۔

”اوہ۔۔ میں بھول کیسے گئی۔ جلدی کرو مدح کتنا وقت ضائع کرتی ہو تم؟“ شرارت سے ہونٹ دبا کے بولی۔

”اور عابدہ کی تو بات ہی نہ کرو۔ جب ہمارے گھر کوئی تقریب ہو یا کسی نے آتا ہو اس کے سر ایلوں میں فوننگی ہو جاتی ہے۔“ اپنے بھول جانے کا غصہ وہ عابدہ پر اتار رہی تھی۔

”آپا نہیں کہتے پگل۔“ گھر کی طرف جانے والی چھوٹی سڑک پر گاڑی موڑتے ہوئے مدح نے تنبیہ کی۔

”نہیں تم حساب لگا لو۔ جب ماہوں آئے تھے تب اس کے جینے کے سرگز رہے تھے اور جب پلا کے دوستوں کی دعوت تھی تب۔“ اس کو عابدہ نے سارے سسرالی مادے جو وقتاً فوقتاً رخصت ہوئے تھے۔ مدح بس مسکراتی رہی۔



تہینہ خالہ تو وہ تہینہ خالہ تھیں ہی نہیں جنہیں جانتی تھی۔ جس تہینہ خالہ کو وہ جانتی تھی۔

اوں سے مسکراہٹ تو کبھی جدا ہی نہیں ہوتی تھی۔  
ال گلابی پھولے پھولے گل اور موٹی روشن آنکھیں  
ان کے منہ پر لگے کو چار چاند لگائے رکھتیں۔ لیکن یہ  
وکل رات سے خاتون نمینہ خالہ کے روپ میں ان کی  
نمائندہ بنی ہوئی تھیں یہ تو کوئی اور تھیں۔ پہلے سرسوں

گل لال پونے، دھنسی ہوئی آنکھیں اور لب اسٹک  
سے بے نیاز ہونٹ۔ ایٹل کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا  
اور اس پر۔۔۔ مستزاد یہ کہ ان کی آنکھوں میں اٹھتا  
تسووس کا طوفان جو سمٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

”تابندہ۔۔۔ میرے تو سارے ارمان ہی چمکتا چور ہو  
گئے۔ نہ مایوں یہ شکوں کا تیل لگایا نہ مندی پہ لڈی  
پائی۔ اس لڑکے نے تو جیتے جی مار دیا مجھے۔“ ماما کے  
گے لگ کر روتے روتے دہائی دی۔

”ایسا نہ کہو نمینہ۔ اللہ سلامت رکھے اذان اور  
ندان بھی تو تمہارے بیٹے ہیں۔ سارے ارمان  
ہرے کرنا۔“ ماما نے گویا تسکی دی۔ ایٹل پانی کا  
گلاس ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔

”چلو پانی پو۔“ ماما نے ایٹل کے ہاتھ سے گلاس  
ایا۔ خالہ کے آجانے سے ماما کا رویہ بھی ایٹل سے  
عوزا نرم ہو گیا تھا۔ ورنہ پچھلے ایک مہینے سے جو سرد  
تنگ جاری تھی، ایٹل کا ماما کے سامنے کھڑا ہونا بھی  
نہل تھا۔

”پر نہیں تابندہ۔ حسان تو میرا سب سے فرما ہوا  
بنا تھا۔ یہ دونوں تو پہلے ہی میری کم سننے ہیں۔“ پانی  
پڑ تو لیا مگر ابھی یا نہیں۔

”تابندہ۔ کیا گوریاں بھی تعویذ دھاگے کرواتی  
ہں گی۔“ پرسوج انداز میں پوچھا تو ماما نے ہنسنے لگی  
کی چھپائی اور ایٹل نے چھپانے کی کوئی دھمت نہ کی۔  
اسے تو حیرت ہو رہی تھی کہ دنیا کے حالات بدلنے کی  
بہت رکھنے والا امریکہ خالہ کے اندر کی پاکستانی ماستا کا  
نہ نہیں بگاڑ سکا۔ حسان نے گوری سے شادی کیا کر  
خالہ امریکہ اور امریکیوں کو لات مار کے ہمیشہ ہمیشہ  
لیے وطن واپس آئیں۔ خالہ اور اذان بھی ساتھ

تھے۔ جبکہ حسان اگلے مہینے آنے والا تھا۔ اور اس  
ایک مہینے میں گھر خریدنا اور اذان کا الیس میں ایڈمیشن  
ان کا نامک تھا۔ ایٹل کو بے حد کوفت ہوئی یہ جان کر  
کہ ایک مہینہ مہمان داری کرنا پڑے گی۔ لیکن چند ہی  
دنوں میں اس کوفت کا نام و نشان نہ رہا۔ وہ سب ایسے  
کھل مل گئے جیسے ہمیشہ سے یہاں رہ رہے ہوں۔

نمینہ خالہ بابا کی فرسٹ کزن کے ساتھ ساتھ پچھو کی  
ہسٹ فرینڈ بھی رہ چکی تھیں۔ سوان کی تو اسکول کالج  
کی باتیں ہی ختم نہ ہوتیں اور خالہ بھی کافی خوش مزاج  
انسان تھے اور اذان۔۔۔ وہ ویسے تو ایٹل سے ایک سال  
بڑا تھا لیکن حرکتیں بالکل بچوں والی مدح اور ایٹل کا  
دوست تو وہ ملاقات کے فوراً ”بعد ہی بن گیا تھا۔ البتہ  
محبت بھائی کو کیرم بورڈ اور لوڈو تک لانے میں اسے دو  
چار دن لگ گئے تھے۔ ورنہ محبت بھائی کا گھر والوں سے  
کبھی کھیل کود والا کوئی تعلق رہا نہیں تھا۔ کبھی اگر  
فراغت ملتی اور موڈ اچھا ہو تا تو مدح اور ایٹل کو آکس  
کرم کھلانے لے جاتے، اس سے زیادہ کچھ نہیں  
ایٹل تو کتنی ہی اسے سڑو تھی۔ وہ اکثر سوچتی کہ اگر  
محبت اس کا بھائی نہ ہو تا تو مدح کو کبھی اس سے محبت  
نہ کرنے دیتی۔ کمال مدح جیسی شاعرانہ مزاج والی  
افسانوی لڑکی اور کہیں میڈیکل کی موٹی موٹی کتابوں کا  
ڈسا ہوا خشک مزاج محبت جاوید۔ لیکن شاپاش اذان کو  
کہ جس کی وجہ سے وہ گھر میں جتنا بھی پائے جاتے اکثر  
اپنے کمرے سے باہر ملنے۔ یہی بہت تھا۔



نیم زہونہ۔ جس کا نام رکھنے کی مہلت بھی اس کی  
میں کو نہ ملی۔ چند تھنوں کی پھول جیسی بچی کو چھوڑ کر  
اپنے آخری گھر روانہ ہو گئی۔ نیم کی داوی، جو اپنے  
سارے فرائض سے سبکدوش ہو کر خاتمہ بلایا میں لگی  
دعائیں مانگ رہی تھیں تھے جاوید کی گود میں ملتی نیم  
کو دیکھ کر گویا پھر سے جوان ہو گئیں۔ اور پھر انہوں نے  
داوی سے مل بننے کا حق لو اکروا۔ غلام حیدر پر دوسری  
شادی کا بہت زور ڈالا پر وہ اللہ کا بندہ بھی کس سے مس

نہ ہوا اور اپنی ساری توانائیاں ان دو اولادوں کی پرورش پر صرف کرنے میں جت کیا۔

جاوید نسیم سے عین سال بڑا تھا اور نسیم تو جیسے کسی اجنبی چہرے کی رنگین چڑیا ہو۔ سارا سارا دل بندھ گئی پھرتی۔ ہر چیز کو حیرت سے دیکھتی اور ہر وہ چیز جو اسے حیران کرتی اس سے متعلق ایک طویل سوالنامہ

اس کے پاس تیار ہوتا۔ کیا؟ کیوں؟ کب؟ کیسے؟ اور واوی یونیاں بناتے، چرخہ کاٹتے، سوت تانے لہن سوا لہن کا جواب دیتی ذرا نہ جھکتی۔ نسیم بھائی کی بچی سہیلی، لپا کی لاڈ اور واوی کی سیمارانی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سیمارانی جوان ہو گئی۔ واوی اور لپا۔ دونوں کو ہی بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا بہت شوق تھا۔ مگر گاؤں میں تو اسکا پرچہ بس تک ہی تھا۔ جاوید کو تو چھٹی میں ہی ہاسل بھیج دیا گیا۔ جبکہ سیمادوسیس تک دوسرے گاؤں میں جاتی رہی اور پھر اس کے بعد وہ بھی ہاسل۔ جاوید انجینئرنگ کیا یا۔ واوی اور لپا کی تو بانو من کی مراد پوری ہوئی۔ گاؤں بھر میں موتی چور کے لٹو تو ہانے ہی ساتھ ہی سر اسجائے کی فکر بھی لاحق ہو گئی۔ خاندان بھر کے بچوں کی طرح لڑکیوں کی خوشبو میں آنے لگی۔ لیکن قریب بڑے چچا کی بیٹی نابندہ کے نام نکلا۔ جو خوب صورت اور ذہن تو بھی ہی۔ رکھ رکھاؤ میں۔ وہ بھی ہاسل میں ہی رہ کر بڑھ رہی تھی۔ سو طے یہ ہوا کہ چونکہ جاوید کی نوکری بھی شہر میں تھی اور لڑکیوں کا کالج بھی تو شہر میں ہی ڈیرے لگا لیے جائیں۔ واوی دل سے تو راضی نہ تھیں پر بچوں کی خوشی کے لیے آنا پڑا۔

سیمانے تو بھائی کی شادی پر سارے ارمان پورے کیے۔ خوب صورت تو بھی ہی۔ ساڈی اور معصومیت اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے۔ جاوید کے دوست منصور کی اہل تو دل و جان سے غذا ہو گئیں۔ اور جاتے جاتے واوی کے کلن میں رشتہ بھی ڈال گئیں۔ صلاح مشورے کے بعد منگنی بھی کی گئی لیکن شادی کے لیے تعلق تب کی مہلت لے لی۔ کیونکہ سیمائیاں

سے پہلے شادی کے لیے بالکل راضی نہیں تھی لہذا واوی تو جیسے اسی انتظار میں بیٹھی تھیں۔ ابھی سیمائی شادی کو ہفتہ بھی نہ گزرا ہو گا کہ واوی گزر گئیں۔ لہذا اگر منصور سیماکو نہ سنبھالنا تو واوی کا علم اتنی کھلتی سے نہ بھول پاتی۔ منصور تو جیسے اس کی واوی کی قبولیت کی گھڑی میں باگھی مٹی دعا تھا۔ بے پناہ خیال رکھتے والا۔ محبت کرنے والا۔ سیمائی خوشی کی خاطر جان تک بچھاؤر کرنے والا۔ سیماکو زندگی نے بھر بھر کے دیا تھا۔ ایک مہل کی کمی کے بعد اور کوئی کمی اس کے جیسے میں نہیں آتی تھی۔ منصور کی اہل ذرا سخت مزاج تھیں۔ مگر منصور اس طریقے سے معاملات سنبھالنا کہ سیماکو رشتہ آگے

جاوید کے ہل محب کی پیدائش ہوئی تو منصور نے سیمائی خواہش کے احترام میں ایک سے بڑھ کر ایک کھلونے اور کپڑے لے کر دیے۔ حالانکہ اس کی اہل کو یہ فضول خرچی لگ رہی تھی۔ لیکن منصور نے سہولت سے اہل کو سمجھالیا اور پھر جب ایک سال بعد ان کے ہل مدح کی پیدائش ہوئی تو منصور تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا۔ بار بار اس کے ہاتھ پائوں چل چھو تا اور بے یقین سا کہتا۔

”یقین نہیں آتا سیماکہ یہ باری ہی بچی ہمارے وجود کا حصہ ہے۔“ اور سیمائیں مسکرائے جاتی اور کلن جانتا تھا کہ یہ آسودہ مسکرائیں سیمائیں کے نصیب میں اب اور نہیں تھیں۔ اور گزرتی شاموں میں ایک ایسی شام آئی کہ منصور کے آنے کے بجائے اس کے چھوڑنے کی اطلاع آئی۔ نرالر اور موٹر سائیکل کے تصادم میں نسیم اور مدح کی دنیا بڑھ گئی۔ ہر چیز ساکن ہو گئی۔ دنیا، وقت، موسم، حیات، احساسات۔ بس ایک تنہی بچی کی چیخیں تھیں جو ہر ساکن چیز کو جھمکا دیتا چاہتی تھیں۔ نابندہ، سیمائی اور بچی کو سنبھالنے سنبھالتے مکان ہوئی جارہی تھی۔ اپنی لاڈ کو دیکھتے ہوئے پھر اس کی لاڈ کو دیکھ کر آنسوؤں کے کو لے حلق میں اتارنے لگتے۔ اور جاوید تو بے بس تھا کہ کیسے اہل باری بہن کی آنکھوں سے آنسو چن کر ستارے بن



سب کے ساتھ وقت گزارنے کی وجہ سے حسان کی شادی کا غم کم ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کل رات بہت دیر تک گپ شپ چلتی رہی۔ پرانی والی خالہ تمینہ کے قہقہے بھی گونجنے اور خالو کے مزے مزے کے لطائف نے بھی سہل ہاتھ رکھا تھا۔ رات جھکے کی وجہ سے ایٹل جن مشکلوں سے بچا اٹھ کر کالج گئی تھی یہ وہی جانتی تھی اور اب واپسی پر گاڑی میں ہی سو جانے کی خواہش کو بے شکل دیا کہ گیت میں داخل ہو گئی۔

اتنی نیند اور بوجھل پن کے باوجود اسے پہلے آپ باؤس کو دیکھنا تھا۔ اذان جو ابھی ابھی کمرے سے باہر نکلا تھا۔ ایٹل کو پچھلے محن میں جاتا دیکھ کر اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔ اور وہ حسب معمول میاؤں میاؤں کرتے چیکو، ٹونا، ٹانگیر اور پنی کے بیچ میں گھری ساری تھکاوٹ بھولے بیٹھی تھی۔ ایٹل اور ملا کے اختلافات میں ایک وجہ گیت ہاؤس بھی تھی۔ لیکن ایٹل کو اس سے خوشی ملتی تھی سو پچھلا محن اس کا اور

چند دن بعد ہوش میں آئی۔ صبح کو سینے سے لگا کر منصور کے چلے جانے کا یقین کرتی پھر سے جا گھر سدھار گئی۔ منصور نہیں رہا تو کیا ہوا۔ اس کا گھر تھا، کمرہ تھا۔ ہر چیز منصور کی تھی جس میں سے اس کی خوشبو آتی تھی۔ وہ اسی خوشبو میں گم ہو کر زندگی گزار دینا چاہتی تھی۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ سانس اور سر کی

طرف سے بل بٹے دار جیٹھ سے نکاح کرنے پر اتنا زور دیا گیا کہ وہ منصور کی خوشبو کو صبح کے وجود میں لپیٹ کر باپ کی دہلیز پر آ بیٹھی۔ کبھی واپس نہ جانے کے لیے۔ ہستی بستی رنگین چڑیا کے رنگ جیسے وقت کی جلتی دھوپ میں جل گئے تھے۔ اب اسے بیٹی کا دکھ دیکھا نہ کیا اور یمن ماہ بعد وہ بھی چل بسے۔ جلیو، نسیم اور تابندہ تو جیسے بے در پے دکھوں سے لڑتے جینا ہی بھول گئے تھے۔ لیکن محب اور صبح کی تھی کلکاریاں ان کی انگلیاں تھام کر زندگی کی طرف بھیج لا میں۔ زندگی پھر سے وہیں سے شروع ہو گئی جہاں پر رکی تھی۔ ہاں البتہ اب کچھ پیارے ساتھ نہ تھے۔

تابندہ نے یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تو اس کے لیے سے پیکچر شپ کی آفر کو قبول کرنا سیما کی محبت نے آسان کر دیا۔ محب اور صبح دونوں سیما کی مہیاں آغوش میں لے لے گئے اور پھر چھ سال بعد ایٹل کی آمد تو گویا ان کی زندگیوں میں دھنک رنگ لے آئی۔ وہ بھی رنگین چڑیا تھی۔ صبح کی تو وہ گزرا بن گئی۔ پر حالی اور ایٹل کے علاوہ صبح کی کوئی مصروفیت نہ تھی اور ایٹل بھی ماں سے زیادہ صبح کے آنے کا انتظار کرتی۔ اس کی باتوں سے لپٹ کر اس کا استقبال کرتی۔ وقت کے ساتھ یہ محبت مزید گہری اور مضبوط ہوتی چلی گئی۔ ایٹل صبح کے بغیر نامکمل تھی اور صبح ایٹل کے بغیر اور حوری۔



تمینہ خالہ کچھ کچھ پرانی جون میں آ رہی تھیں۔

ادارہ خواتین ڈراما سوسائٹی

پیشکش

بیسویں صدی کی دہائی

دھیمہ چیمپل

تہ - 3501

ملکہ گلستان



اس کی کیت کا تھا۔  
”یار ایہ چیکو تو مجھے دے دو بہت پسند ہے مجھے“  
سفید دودھیا لے لے ہاؤں سے بھرے بھرے چیکو کو گود  
میں لے اذان بولا۔

”خوار۔ سوچنا بھی مت۔“ وہ جوان کے برتنوں  
میں کھانا ڈال رہی تھی تیکھے چوتنوں سے مڑی۔  
”کیوں جی؟“ وہ بھی بیڑھا ہوا۔

”جب میں نے انہیں خرید ا تھا تب مجھے پتا نہیں  
تھا کہ بلیوں اور کتوں کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔  
اس لیے میں چیکو تمہیں بیچوں گی۔ سوچنا بھی مت۔“  
اب وہ صحن کے کونے میں لگے بیسن پر ہاتھ دھو رہی  
تھی۔

”میں تم سے خریدوں گا بھی نہیں۔“  
”تو کیا کفٹ دے دوں تمہیں؟ اتنی دوستی نہیں  
ہوئی ہماری۔“ ہاتھ جھاڑتی وہ لاؤنج میں چلی آئی۔ وہ  
بھی پیچھے ہی تھا۔  
”کتنی روڈ ہو تم۔“

”میں اس سے بھی زیادہ روڈ ہو سکتی ہوں۔ لیکن  
تم تو میری خالہ کے بیٹے ہو اور دو سرا مہمان ہو۔ سو  
بخشا تمہیں۔“ وہ بیڑھیاں چڑھتی شان بے نیازی  
سے بولی۔  
”بہت شکریہ۔ اس رعایت کے لیے۔“ بد مزہ سا  
ہو کر بولا۔

”یو موردن ویکرم ڈیر۔“ اس کو چڑاتی ہی آواز بلند  
کرتی وہ اپنے کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔ اسے بہت  
دیر تک سونا تھا اب۔



حمدان آچکا تھا۔ ایٹل اور مدح کیا گھر کا ہر فرد اس  
کی شخصیت کے زیر اثر آچکا تھا وہ کوئی ساحر تھا۔ چہ  
فٹ سے نکلتا تھا کٹھن اسے سب میں ممتاز کرتا۔ اس  
کی رکشش آنکھوں کی چمک اس کے پورے چہرے کو  
روشن رکھتی۔ اس کی کشادہ چہلنی پر گھرے سیدھے  
بہل مہینیس دھونقا ”نونی“ ہناتا تھا۔ اس کی شخصیت کو

نمایاں کرتے تھے اور سب پر حاوی اس کی ٹھہری ہوئی  
صاف اور بھاری آواز کو کہ وہ بہت کم بولتا تھا۔ مگر وہ  
بولتا تو سب یکدم خاموش ہو کر توجہ سے اسے سنتے۔  
سب کے درمیان بیٹھا ہوا۔ خاموش ہونے کے  
بلو جود پوری محفل پہ چھایا ہوتا۔ بات بے بات مسکرا  
نہیں تھا۔ پھر بھی ایک مستقل مسکراہٹ تھی جو اس  
کے پورے وجود کو حصار میں لیے ہوئے تھی۔ ایٹل  
سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اذان جیسے بے ڈھنگے لکھل  
ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی تو صحیح معنوں میں بولتی نہ  
ہو چکی تھی۔

حمدان امریکہ کی جس سافٹ ویئر کمپنی میں کام کرتا  
تھا وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی تھی۔ سو اس کو ٹرانسفر کا  
بالکل مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ ہاں اب یہاں ایڈجسٹ  
کرنے میں اسے کافی مشکلات پیش آنے والی تھیں۔  
خانوں نے گھر تو خرید لیا تھا مگر ابھی شفٹ ہونے میں  
دو چار دن لگ سکتے تھے۔ لہذا آپھپھو نے رضا کارانہ طور  
پر حمدان کے لیے اپنا کمرہ خالی کر دیا اور خود ایٹل اور  
مدح کے کمرے میں آ گئیں۔

اگلی صبح اتوار تھی۔ سو فرصت ہی فرصت تھی۔  
ایٹل حسب سابق دوپہر بارہ بجے اٹھ کر نیچے نکلے۔  
بیڑھیوں سے اترتے ہی لاؤنج کا منظر واضح تھا۔ حمدان  
نی وی پر برنس اپ ڈیٹ دیکھ رہا تھا۔ ایٹل سمجھی شاہ  
وہ پور ہو رہا ہے۔ اور اس گھر میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ  
کسی مہمان کو آئے دو روز گزر چکے تھے اور ایٹل کی  
اس سے بات چیت صرف بیلو ہائے تک محدود تھی۔  
ایٹل نے خود کو گھر کا۔ ایسا بھی کوئی جن کا بچہ نہیں کہ

کہ بات کرنے پہ ہی کھا جائے گا۔ اس کی خالہ کاٹھا  
ہے۔ سو بات کرنے میں کیا حرج تھا۔ ایٹل اپنی ہاتھ  
تھپکتی اس کے برابر کے صوفے پر آ بیٹھی۔  
”اور پھر حمدان بھائی۔ سب ٹھیک ٹھاک۔“  
بے تکلفانہ گویا ہوئی۔ حمدان نے بد مزہ سا ہو کر نیلی  
نبی اپنی نظرس بھینک ہٹا کر برابر کے صوفے  
دھنسی اپنی کزن کو دیکھا جو بے وجہ ہی بے کلک

ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔  
 ”جی۔“ روکھا اور مختصر سا جواب دے کر وہ بارہ  
 فی دی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایٹل کو حیرت کا شدید  
 بعد لگا۔ اسے آج تک کبھی کسی نے یوں نظر انداز نہ  
 کیا تھا۔

”آفس کب سے جوائن کر رہے ہیں۔؟“ خود کو  
 آگے دے کر اس نے ایک اور کوشش کی۔

”کل ہے۔“ چند سیکنڈز کے توقف کے بعد وہ بولا۔  
 اس بار نظریں فی دی پر ہی جمی رہیں۔ ایٹل کے تو  
 لکڑوں پہ مکی سر پہ بھیجی۔

”میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔“ جلتی  
 بھتی اچھے اچھے بھی اخلاقا“ کہہ گئی، مگر دانت پیٹے  
 ہوئے۔

”جی شکریہ! میں پی چکا ہوں“ نظریں ہنوز فی دی پر۔  
 فیسے میں فون فلیں گئی چکن میں جا کر دم لیا۔ جہاں  
 مدح چاہئے بنا رہی تھی۔

”بد تمیز مسز! تمہیں سمجھتا کیا ہے خود کو۔“  
 ”کیا ہوا۔۔۔ کس کی شامت آگئی۔“ غصے سے

ڈانٹک چیروہیلیٹی ایٹل کو مدح نے مڑ کر دیکھا۔ وہ  
 ایسی رات والے پلاؤ اور ڈھیلی ڈھالی شرٹ میں  
 تھی۔ اور چہرہ دھو کر خشک کرنے کی زحمت نہیں کی تھی

مکی کیونکہ کبھی جو کی گرفت سے آڑو ہلوں کی لٹیں  
 پہرے کے دائیں بائیں چمکی ہوئی تھیں۔

”میں اس گھر میں رہتی ہوں بلکہ یہ میرا گھر ہے  
 لیکن مجھے آج سے پہلے نہیں بتا تھا کہ بڑا کس چیلنج بھی  
 مارنے کی وی پر آتا ہے اوپر سے ایسی ٹوڈو دیکھو محترم

ہا۔ جیسے یہ گھرانہ کا ہو اور ہم دو چار دنوں کے لیے  
 آئے ہوں۔“ مدح مسکرا دی۔ سمجھ گئی کہ حیران کے

ارے میں کہا جا رہا ہے۔  
 ”کیوں؟ کیا کہہ دیا ہے چارے نے؟“

”ہو نہ ہو چاہے کچھ کہہ کر تو دکھائے مجھے۔ مجھے  
 اپنے آنور کر رہا تھا جیسے میں کوئی بچہ ہوں۔“ اس کا  
 ل نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔

”اچھا اگر تمہیں جی نہ سمجھتا تو پھر کیسے آنور  
 کرتا۔“ مدح نے اسے پھینکا۔

”کیوں وہ کوئی راجہ اندر ہے کہ آنور ہی کرتا۔“ وہ  
 اور جلی۔

”چھوڑو میں۔۔۔ بس ذرا ریزو دے اور کوئی وجہ  
 نہیں۔“ مدح نے کینٹ سے کپ نکالتے ہوئے اسے  
 تسلی دینے کی کوشش کی۔

”ریزو نہیں ہے مغرور ہے۔ امریکہ کا عرب ڈال  
 رہا ہے ہم پہ۔“ مگر یہ جانتا نہیں کہ ہم امریکہ کو کچھ

نہیں سمجھتے۔ اب ذرا سی پیک بن لینے دو پھر دیکھنا کیسے  
 امریکہ کی ہوا نکلتی ہے۔ مدح نے اچانک اس اٹنے والی  
 حب الوطنی پہ بمشکل اپنا قبضہ چھپایا۔

”میں تو آج تک محب بھائی کوون اینڈ اوٹلی سمجھتی  
 تھی۔ لیکن مبارک ہو بہن! میرے بھائی میں ابھی

اخلاقیات ہوتی ہیں۔“ اب وہ اٹھ کر ڈینسر سے پانی پینے  
 لگی تو نظریں لان میں کھلنے والی کھڑکی سے باہر گئی۔ جہاں  
 گھر کے باقی افراد خالو کی کسی بات پر قہقہے لگا رہے  
 تھے۔

”کیس سے بھی یہ ان کا بیٹا نہیں لگتا۔“ پانی پی کر  
 بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔

”بریا بات ایشا۔۔۔ تم تو بیویوں کے متعلق ایسے بات  
 نہیں کرتی تھیں۔“ اب وہ کپوں میں چائے نکال رہی  
 تھی۔

”مدح! تم میری سائیڈ پہ ہو اچھا! اور میری چائے  
 بھی باہر ہی لے آنا۔“ باہر سے آتے قہقہوں میں

شامل ہونے میں اسے زیادہ دلچسپی محسوس ہوئی، بہ  
 نسبت حیران کو کوٹنے کے

”ناشتا تو کرلو۔“  
 ”میں ڈانٹنگ پہ ہوں۔“ ہانک لگاتے وہ یہ جادہ جا۔

”ناشتہ چھوڑ کر کون سی ڈانٹنگ ہوتی ہے پائل  
 لڑکی۔“ مدح کپ ٹرے میں رکھتی تاسف سے  
 منمناتی۔



کر کستی وہ اس کے پاس آن کھڑی ہوئی۔  
 ”بتا رہی ہوں۔ کیوں کہ تم تو اپنے حسن کا  
 بالکل بے خبر ہو۔“ بے نیازی سے کستی وہاں سے  
 باؤں میں الجھ گئی۔  
 ”اچھا تو تم ہی بتاؤ۔ کیسے اپنے حسن کی خبر لیں؟“  
 دھیمی مسکان کے ساتھ مدح بھی اپنے لاسنے لہ  
 سنوارنے لگی۔  
 ”ہوں۔ اگر سیریس ہو تو میں تمہیں گائیڈ کر کم  
 ہوں۔“ ”سانسنے کے باؤں کو ہلکا سا ٹوٹ دے گا  
 پن لگا کر جیسے فارغ ہوئی۔  
 ”ہاں نا۔ پلیز۔“ مسکراہٹ دباتے شرارت۔  
 بولی۔

”تو سب سے پہلے تو اپنے باؤں کو کوئی کٹھنہ  
 سے نہیں تو سانسنے سے ہی۔ اور اپنے بیگ  
 فضول سی چیزوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا پوچ میکا  
 کا بھی رکھو۔ بلکہ رنگ کی لپ اسٹک ہر وقت لگا  
 رکھا کرو۔ اور ہاں۔“ اس کے ارد گرد گھومتی رہ کم  
 ماہر کی طہن اسے حسین کہنے کے گرتاری ہی تھی۔  
 ”سب سے بڑھ کر تو بڑی سی او میں سیکھو۔  
 سیدھا جا کے محب بھٹی کے دل پر وار کریں۔  
 آخری جملہ شرارت سے جھک کر مدح کے کان میں  
 دوا ب میں اس نے بھیج کر ہینو برش اس کے ہانا  
 مارا۔

”بہت فضول ہوتی جا رہی ہو تم۔ فوراً“  
 دوتیں پر دے۔“ نے فکر کھانکھا نہیں سن کر کمر۔  
 کی دیواریں بھی مسکراتے نکلیں۔ آنکھوں پر لافٹ  
 مسکارا اور اپنے دوپٹے کی ہم رنگ لپ اسٹک لگا  
 فارغ ہوئی۔ مدح کو دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا۔ معمول  
 طرح چٹپٹا ہنا کے اور کاہل لگائے کھڑی مدح کو دیکھ  
 کھول اٹھی۔

”ابھی کیا بتایا ہے تمہیں۔ بال کھولو اور یہ لم  
 اسٹک ہی کاؤ۔“ مدح کے مقابلے میں اپنا آپ مس  
 اور نکتے کا۔

مغلنی دور کے قلعوں کے دروازوں جیسا اونچا،  
 چوڑا کسی ماہر کاریگر کے بنائے نقش و نگار سے مزین  
 دروازہ۔ دروازے کی شان کو بھاتے بیرونی دیوار کے  
 ساتھ ساتھ بنی کاری میں لگے پھول بونٹے خوش کن  
 دورنگی چمکدار ٹائلوں سے سجائوک نما راستہ۔ جس  
 کے اطراف کھلتے رنگ کی گھاس کی عبا میں لپٹے دولان۔  
 وہیں لان میں کھڑے ہوؤں کو اپنی طرف متوجہ  
 کرتا تیس پہ ہوا کھڑی کا کام۔ اور پھر کھر کے داخلی  
 دروازے کے ساتھ خوب صورت چھوٹے بڑے  
 پتھر سے بنی ایک مصنوعی آبشار۔ خوب صورت  
 داخلی دروازہ۔ کشادہ چمکدار ٹائلوں کے فرش سے سجا  
 لائے اور سب سے بڑھ کر جگہ جگہ کھڑی کے خوب  
 صورت نقش و نگار جو دیواروں کو ایک دھیمسا سا تاثر  
 دیتے۔

پاکستان آنے کے بعد یہ سہرہ دوسری چیز تھی جو  
 حمار وہ حد پسند آئی تھی۔ پہلی چیز سیما پھو پھو کے  
 ہاتھ۔ بننے آو کے پرانے تھے وہ بالائی پسند کو، اوپر جاتا  
 ہر کمرے پر چھو پھر کر دیتا رہا۔ ضروری سامان تو تھا  
 ۔ لیکن ابھی بہت سارا سامان لانا باقی تھا۔ اب وہاں  
 کی بنی بنات کے ساتھ جینا سٹ بنا رہا تھا۔ سٹ  
 دھونسی اسے اندازہ ہو گیا کہ ابھی بہت پکڑتے تھے۔  
 بازاروں کے۔ وہیل ہی مل میں گھر گئے تھے۔

بیک کا لائٹ فرائٹ پٹے وہ آئینے کے سامنے  
 کھڑی اپنے سلکی باؤں سے الجھ رہی تھی کہ آئینے میں  
 اپنے مدح کے عکس کو دیکھ کر فوراً پٹلی۔ مدح جتنی  
 فکر کا انگر کھا فرائٹ پٹے بڑے رنگ روم سے نفی تھی۔

”واؤ۔ مدح تم کتنی خوب صورت ہو۔“ ”اشٹل“  
 مدح کا تعریف کرنے میں بھی بھی کبھی سے کام نہیں  
 لیتی تھی۔  
 ”بتا رہی ہو یا پوچھ رہی ہو؟“ ”بیش کی طرح زیب نہ پ

”کس کا خون پی کر آئی ہو ڈر کیوں میڈم؟“ اس کی لالہ لب اسٹیک پر چوٹ لڑا وہ اسے زہر لگا۔ وہ بس گھور ہی سکی۔ کیونکہ ماما کی مستقل گھور بوں سے اس کا اعتماد

موبائل سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کدھ نے شرارت سے  
چھڑا۔

ہوئے چونکا۔  
”شادی کے بارے میں برخوردار۔“ اسفر صاحب  
مسکرائے۔

”شادی کا یہاں کیا ذکر؟“  
”اصولاً تو بچوں کے ذکر سے پہلے شادی کا ذکر ہونا  
چاہیے تھا۔ لیکن تم نے ترتیب خود ہی الٹی کر دی۔“  
تمینہ مسلسل مسکرا رہی تھیں۔

”ہوں۔ تو یوں کہے تاکہ آپ کو میری اہل آرام  
کرتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ اب ذرا سکون  
ہو! ان کی زندگی میں تو ہموڑ ہونے کی مشقت میں لگا  
دیں ان کو۔“ میگزین کی ورق گردانی کرتا وہ مصروف  
ساہو لایا۔

”مجھے بھی اس دھندیا میں نہیں پڑنا بیٹائی۔ ہو  
میں دھونڈ چکی بس تم ہاں کرو تو میں بات چلاؤں۔“  
تمینہ تو جیسے ہتھیلی پر سرسوں جھانے چلی تھیں۔

”ہیں۔ کون؟“ وہ اتنی جلدی پر بڑبڑا سا گیا۔  
”آئی ایشل اور کون۔؟“ اہل تو یوں بولیں جیسے  
اور کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔

”کون ایشل؟ ایشل!“ تھوڑا الجھا پھر شہادت کی  
انہکی محسن کی جانب اشارہ کر کے ایشل کہا۔ گویا وہ ابھی  
بھی باہر محسن میں بیٹھی ہو۔ اہل کی تصدیق نے تو گویا ہلا  
کر رکھ دیا۔

”لگتا ہے آپ کی تھکاوٹ ابھی اتری نہیں۔؟“  
میگزین بند کر کے ایک طرف رکھا۔

”جیسا مطلب۔؟“ تمینہ اپنی بات کے جواب میں  
یہ بات توقع نہیں کر رہی تھیں۔

”آپ تھوڑا رست کریں۔ بلکہ ایسا کیوں نہیں  
کرتے آپ لوگ۔ کہاں گئے تھے آپ لوگ ابھی  
مون پہ اہل۔ آپ کی فیورٹ جگہ۔“ وہ دماغ پہ زور  
دیتا کھڑا ہو گیا۔

”ارے ہاں نارن کاٹن۔ وہیں جائیں کچھ دنوں  
کے لیے۔ انجوائے کریں پھر سے پرانے دن یاد  
کریں۔“ اہل کی بات ہوا میں اڑاتے مفت میں

”بچے! اس آتا ہے غالب پردوں ہی انبار مل ایک  
کا اسکر پائلٹ ڈھیلا اور دوسرے کے سارے اسکر پو  
زنگ ٹوڈ۔ ایک ٹوٹھ پیٹ کا اشتہار لور دوسرے  
کے چپے دانت میں درد ہو۔“ اس کی تشبیہات سن  
سن کر منہ نہ رہی تھی۔ گلابی چومزید گلابی ہو گیا۔

\*\*\*

تمینہ اور اسفر صاحب لاؤنج میں بیٹھے رات کے  
فنکشن کے بارے میں ہی بات کر رہے تھے کہ  
سیڑھیوں سے اترتے حمدان کو دیکھ کر دونوں مسکراتے  
متوجہ ہوئے۔

”السلام علیکم۔“ ٹائٹ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس  
الجھے بالوں کے ساتھ صوفے پر ڈھے سا گیا۔

”وعلیکم السلام۔ کیا ہوا برخوردار! کچھ زیادہ ہی  
تھک گئے کیا۔؟“ اسفر صاحب شرارت سے گویا  
ہوئے۔

”بہت۔ واقعی صبح سن رکھا تھا کہ یہاں کے لوگ  
فیملی گید رنگ میں ساری ساری رات بھی جاگ سکتے  
ہیں۔“ رات تین بجے ختم ہونے والی پارٹی پہ وہ کافی  
حیران تھا۔

”کیوں؟ تمہیں اچھا نہیں لگا کیا؟“ تمینہ نے  
الجھن سے پوچھا۔

”اچھا لگا۔ بلکہ میں تو سوچ رہا تھا کہ اچھا ہے ہمارے  
بچوں کا بچپن ہمارے جیسا نہیں ہو گا۔ کچھ بڑا گلا ہو  
گا ان کی لائف میں۔ بس یہ ہے کہ مجھے تھوڑا  
اسٹیمنا بڈ کرنا پڑے گا۔“ اس کی بات ختم ہونے سے

پہلے ہی تمینہ اور اسفر صاحب نے بے اختیار ہی ایک  
دوسرے کی طرف مسکراتے لبوں کے ساتھ دیکھا گویا  
حمدان نے یہ بات کر کے ان کی کوئی مشکل آسان کر دی  
ہو۔

”یہ تو ہے۔ تو پھر کیا خیالی ہے؟“ تمینہ پیار سے  
حمدان کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

”کس بارے میں؟“ فیمل پر پردا میگزین اٹھاتے



”نہیں اہل۔ پر ایشل نہیں۔“ وہ جڑ بڑ ہوا۔  
 ”کیوں؟“ اہل بھند تھیں۔  
 ”بچی ہے وہ اہل۔ کم از کم بھی آٹھ دس سال  
 چھوٹی ہوئی مجھ سے۔“ وہ بھی رو رہا تھا۔  
 ”نہ نے آٹھ سال۔“ اہل نے گویا صبح کی۔ وہ بے  
 ساختہ مسکرا اٹھا اور کتاب کے پیچھے ابا بھی۔  
 ”وہی تو۔ یہ کم ہے کیا؟“  
 ”تمہارے ابا مجھ سے دس سال بڑے تھے۔“  
 ”تو؟ ابا سافٹ ویئر انجینئر بھی تو نہیں تھے۔“

مشورہ دیتا بیڑھیاں چڑھنے لگا۔  
 ”اور اہل۔“ نکلنے سے پہلے ایک کپ کافی اوپر بھجوا  
 دیں۔ ”تمہیں ہنگامہ کاس کو جانا دیتا ہے کہ گئیں جبکہ اسفر  
 صاحب کا قفقہ بے ساختہ تھا۔  
 ”نہ معقول۔“ تمہیں بڑوانے لگیں۔  
 ”نہ معقول نے بات بہت معقول کی ہے۔ تو پھر کیا  
 خیال ہے۔ کل کی لکٹیں کروا لیں۔“ اسفر صاحب  
 کے شرارتی لہجے پر تمہینہ کے چہرے پر بکھری ناگواری کی  
 جگہ مسکراہٹ نے لہل۔



شرارت سے بولا۔  
 ”وہ بہت اچھی، سلجی ہوئی بچی ہے۔“ اہل ایشل  
 کی تعریفیں کر کے اسے رام کرنے لگیں۔  
 ”جی جی تو۔ بچی ہے۔ نہ نکال لیا تو کیا ہوا؟ بچپنا  
 ہے ابھی اس میں اہل!“  
 ”اس کی خوش مزاجی کو بچپنا کہتے ہو تو کہتے رہو۔  
 مجھے تو ایسی ہی سو چاہیے، سن لو تم بھی۔“ اہل نے ہاتھ  
 بھاڑے۔  
 ”تو ضرور بناؤں اسے سو اہل! لیکن اذان کے  
 حوالے سے اور پلیز اس ٹاپک کو کلوز کریں اور ایک  
 کپ کافی پلوادیں۔“ وہ شاکی نظروں سے ابا کو دیکھتا  
 بیڑھیاں چڑھ گیا۔ اور پھر سلسلہ رکنے کی بجائے  
 بڑھنے لگا۔ شش کی میز پر، آئس سے واپسی پر۔ چھٹی  
 کے دن۔ گویا اہل نے ضد پکڑ لی ہو۔  
 اور تو اور اذان بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ ”بھائی  
 ابھی ہل نہ کرنا۔ مجھے پہلے کتفم کر لینے دے کہ وہ اپنی  
 کٹھن لے کر آئے گی یا نہیں۔“ اور وہ بس بیڑھیاں  
 جاتا۔ لیکن بیڑھانے سے کام نہیں چلنے والا تھا۔ اس  
 نے ابا سے بات کرنے کی ٹھان لی۔  
 ”ابا! کیا آپ بھی یہی چاہتے ہیں؟“ وہ عشاء کی نماز  
 کے بعد واک گئے بہانے ابا کو سرگنارے لے آیا تھا۔  
 مختلف آبی جانوروں کے مجسموں سے جی سر کے اوپر  
 جلتی بجھتی روشنیوں کا عکس ابا کے متفکر چہرے پر بھی  
 آ رہا تھا۔  
 ”میں تمہاری ماں کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس

آج کل وہ بہت تھکنے لگا تھا۔ وہ پہلے بھی بہت کام  
 کرتا تھا۔ کبھی کبھی تو بارہ گھنٹے بھی۔ لیکن یہاں نئے  
 لوگوں اور نئے طریق کار کو سمجھنے میں اسے کافی وقت  
 لگ رہا تھا۔ آدھا گھنٹہ شاور لینے کے بعد وہ خود کو  
 تروتازہ محسوس کر رہا تھا۔ اہل نے شروع سے اصول  
 بنا رکھا تھا کہ اگر آپ سو نہیں رہے یا ضروری کام نہیں  
 کر رہے تو گھر والوں کے ساتھ بیٹھیں۔ الگ کھانگ  
 کرو بند کر کے بیٹھنے کو بہت برا سمجھا جاتا تھا۔ وہ فریٹش  
 ہو کر لاؤنج میں ہی چلا آیا۔ اہل دیکھتے ہی بلا میں لینے  
 لگیں۔ حسب معمول۔  
 ”کیا سوچا پھر تم نے بچے۔“ معمول کی بات چیت  
 کے بعد اہل گویا ہو میں۔  
 ”کس بارے میں۔“ خدا جانے معمول چکا تھا یا  
 قصداً بھولا بن گیا۔  
 ”شادی کے بارے میں۔“ ایشل کے بارے  
 میں۔ ”اہل جنملا میں۔“  
 ”اذان آج ریت نہیں ہو گیا۔؟“ آج پھر ٹالنے  
 کے موڈ میں تھا۔  
 ”تمہیں ایشل اچھی نہیں لگتی کیا۔؟“ اہل نے  
 تفکر سے پوچھا۔ ابا تو گویا ان دونوں سے بے خبر کسی  
 کتاب میں غرق تھے۔  
 ”اہل۔ پلیز۔“ بلیٹی ہوا۔  
 ”تو کوئی اور۔؟“ دل میں بیٹھے ناگ نے سراٹھایا۔

”میں نے بچپن سے آج تک تم لوگوں پر اپنی مرضی نہیں تھوپی۔“ امل دودھ کا گلاس کمرے میں دینے آئی تھیں۔ چھوٹی موضوع۔

”جوئے کپڑوں سے لے کر بڑھائی تک۔ سب کچھ تم لوگوں نے اپنی مرضی سے کیا۔“ وہ عدھل سی تھیں۔

”تو اب کیوں امل؟ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو آپ نے ہماری مرضی پہ چھوڑ دیا لیکن ہماری زندگیوں کے سب سے اہم فیصلے میں ہماری مرضی کو اہم نہیں سمجھ رہیں۔ جبکہ اب ہم بیچور ہیں۔ کیوں امل؟“ وہ متاسف سا بولا۔

”یہ میری خواہش ہے بچے اور جہاں تک میچورٹی کی بات ہے تو حسن کی میچورٹی دیکھ چکی ہیں۔“ وہ چپ سا ہو گیا۔ حسن کی حرکت اس کی راہ کی رکاوٹ تھی۔

”کیسے تم بھی تو کسی گوری سے عہد نہیں باندھ آئے؟“ وہ مشکوک سے انداز میں دیکھنے لگیں وہ گڑبڑا گیا۔

”ارے نہیں امل! مجھے اس رشتے سے مسئلہ صرف عموں کے فرق سے ہے۔“ وہ خاموش ہوا۔

”ایشل کے علاوہ بھی تو اور لڑکیاں ہیں خاندان میں جیسے مدح۔“ گلا کھٹکھٹا کر اس نے مدح کا نام لیا۔

”تم مدح میں انٹرنل ہو۔“ کسی نفیثی افسر جیسی کراختی کے ساتھ بوجھا گیا۔

”ارے نہیں امل! انٹرنل نہیں ہوں بلکہ مجھے وہ ایشل کے مقابلے میں سمجھ دار لگی۔ بس۔“ کھٹوڑ سا ہو گیا۔

”اگر نہیں ہو تو اچھی بات ہے۔ اور اگر ہو تو اپنی ذہن سے اسے نکال دو کیونکہ وہ بچپن سے ہی محب سے منسوب ہے۔“ ہلچہ سخت ہوا۔

”تمہارے لیے صرف ایشل ہی پسند ہے مجھے۔ اگر ہاں کر لو گے تو خوشی ہوگی مجھے۔ اور اگر نہیں تو۔“ وہ ذرا سار کیں۔

”حسن کے بغیر رہ سکتی ہوں تو تمہارے بغیر بھی رہ

نے میرے ساتھ بہت دھکے کھائے ہیں۔ میری ضد پر دیکھ کاتا ہے۔ جب میرے پاس کوئی کام نہیں تھا تو اس نے دودھ شیشوں میں کام کر کے ہم چاروں کا پیٹ بھی پالا ہے اور پھر میری جلی کٹی بھی میرے سنی ہے۔“ اپنی پھٹی دیکھ کر گویا بچتا رہے تھے۔

”اور اب حسن نے جو دھکے دیے ہیں۔ بہت دھکے

ہے۔“ لیکن ابا! امل کو اپنی خوشی صرف ایشل میں کیوں نظر آ رہی ہے؟ ہو سکتا ہے کوئی ایسا آپشن تلاش کر لیا جائے جس میں ہم دونوں کی خوشی ہو۔“ وہ ابا کے جواب سے جھنجھلا سا گیا۔

”ہم دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ بہت امیچور ہے۔ آپ مجھے جانتے ہیں میں ایسا بندہ نہیں ہوں۔ میں تھوڑا کھدرا انسان ہوں۔ مجھے صبر و برداشت والی میچور لڑکی چاہیے جو مجھے سنبھالے نہ کہ میں اس کے ناز و خزعے اٹھاؤں۔“ وہ جیسے تھک کر چپ ہوا۔

”ہوں۔“ ابا جیسے کسی سوچ میں ڈوبے۔

”لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے بیٹا کہ اگر تم توجہ دو تو تمہاری امل کی خوشی ہی تمہاری خوشی بن جائے۔“

”اسپا سئل۔“ ابا سے بات کرنا فضول ہے۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا۔

جبکہ دوسری طرف ایشل ڈنر برسلکٹ کیے کپڑوں کے ساتھ میچنگ بیٹنل ڈھونڈتی ایشل اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ اس کی ذات نے حمدان اسفر کی زندگی ایشل پھل کر دی تھی۔ کچھ شرٹس خریدنے وہ اپنے کو لیگز کے ساتھ مل آیا تو ہستی کھلکھلائی ایشل کو دیکھ کر اسے پھر امل یاد آئیں۔ اس کے ساتھ مدح بھی تھی جو اس کی پڑ پڑ چلتی زبان کے جواب میں بس مسکرا رہی تھی۔ اس نے یکدم نظر ہٹانا چاہی کہ کہیں اس کے کو لیگز کچھ غلط نہ سمجھیں۔ لیکن پھر کچھ خیال آنے پر اس نے لٹ کر مدح کو دیکھا۔ بہت غور سے نظر بھر کر۔ اور مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔



لوں گی۔" پہلے گلارندھا اور ساتھ کب سے انکے آنسو  
گلوں پر بہنے لگے۔

"نہیں اہل! نہیں رونا نہیں۔" وہ بوکھلا گیا۔  
"نوبلیک مینٹگ۔ میں اس بلیک مینٹگ میں بالکل  
نہیں آنے والا۔" ہنادایاں بازو اہل کے کندھوں کے  
گرد پٹت کر رہے تھے کسی کی تصویر بنا اہل سے زیادہ خود کو  
نسیل دینے لگا۔

"جیسے آپ کی مرضی اہل۔ مجھے کوئی اعتراض  
نہیں۔" اگلی قہقہہ ناشتے کی ٹیبل پر اس نے اہل کو مڑھ  
جالی سنایا۔

"میرا بچہ! دیکھا تو نے اہل کا کچھ لٹنڈا کیا ہے۔ اللہ  
تجے بڑے بھاگ لگائے گا۔ ان شاء اللہ۔" فرط  
جذبات سے پھر آنسو آگئے۔

"لیکن آئندہ میں آپ کو روٹا نہ دیکھوں کبھی۔" وہ  
بلیک مینٹگ میں نہ آنے کا دعویٰ کرنے والا ایمو سنڈل  
بلیک میل ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی اسے ثابتانہ مدد کی امید  
تھی کہ کاش ایشل کے گھر والے انکار کر دیں۔

آفس میں روز کے کام نمٹاتے ایک ٹائمنس نمبر  
سے بار بار کل آرہی تھی۔ دوبارہ نظر انداز کرنے کے  
بعد تیسری بار پلا خر اس نے اٹھالیا۔

"کل خالہ ہمارے گھر آئی تھیں اور آپ جانتے  
ہوں گے کہ کس مقصد سے، میں نے فون اس لیے کیا  
ہے کہ آپ انکار کر دیں۔" رکھی سلام دعا کے بعد  
جب وہ بولی تو لہجہ صاف اور مضبوط تھا۔

چند ثانیے تو وہ کچھ سمجھ نہیں پایا جب سمجھ میں آیا تو  
بے ساختہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ایشل؟" گویا تصدیق چاہی۔  
"جی۔" ہموار لہجہ۔

"تو آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں انکار کر دوں؟"  
پریشانی کے بادل گویا چھٹنے کو تھے۔

"کیونکہ آپ سے مجھے شادی نہیں کرنی۔" ترکی بہ  
ترکی۔

"اور کیوں شادی نہیں کرنی؟" وہ مزید ریلیکس  
ہوا۔

"کیونکہ۔" وہ تھلا اٹھی سوینا مٹی لپٹی ہوئی۔  
"آپ انتہائی خشک مزاج انسان ہیں اور پلیزنا سنڈ  
کچھ گائیے بندے سے دوستی نہیں کر سکتی شادی تو  
دور کی بات۔" صاف اور سیدھی بات ہی اس کا خالص  
تھی۔ لیکن بات کا اثر کچھ الٹا ہوا تھا۔ وہ تو قہقہہ لگا کے  
بہنے لگا تھا۔ آسودہ قہقہہ۔

"اف میرے خدا۔" اک یہی بات تو مجھے اپنی اہل  
کو سمجھاتے دو مہینے ہو چلے تھے۔ آپ تو بہت بہادر  
نکلیں ایشل بی بی۔" وہ بات کرتے ہوئے ہنس رہا تھا۔  
"مجھے اپنی تعریف نہیں سنی۔ بس یہ کہتا تھا کہ  
آپ انکار کر دیں۔" اب کہ لہجہ اتنا صاف نہ تھا۔ وہ  
جزبہ بولی۔

یہ احساس کہ صرف وہی نہیں حمدان بھی اس سے  
شادی نہیں کرنا چاہتا عجیب تک آمیز تھا۔ وہ تو سوچ  
بیٹھی تھی کہ وہ اس کے غرور کو چکنا چور کرے گی۔  
اسے ٹھکرائے جانے کا صدمہ دے کر۔ یہاں تو وہ خود  
صدمے سے دوچار ہوئی جارہی تھی۔

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ میں اپنی سی کوشش کر  
چکا۔ اب انکار تو آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔ میری  
پروجیشن ذرا مختلف ہے مگر آپ تو سنا ہے لاڈلی بھی بہت  
ہیں اور اگلی تو ہیں ہی۔" ایشل نے فون ٹھک سے  
بند کر دیا۔ چہرہ جیسے دھواں دھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں  
میں انکار سے دھبہ رہے تھے۔ ایشل جاوید کو رہ جھکٹ  
کیا گیا۔ یہ سوچ کر ہی غصے سے انگلیاں کپکپانے  
لگیں۔ خالہ کا پرو پونزل اور اب حمدان کا انکار۔ یکے  
بعد دیکرے دو دھماکے کل رات ہی تو بیابانے اپنے  
کمرے میں بلا کر اس پرو پونزل کا بیابانہ۔

"فوراً" سے پہلے انکار کر دیں بابا۔" بلا تو نصفہ بولی  
تھی۔

"دیکھا میں نے کہا تھا جاوید۔ کوئی فائدہ نہیں بات  
کرنے کا۔" لمانے ٹیکے چترنوں سے اسے گھورتے  
ہوئے کہا۔

"تائبہ۔" میں بات کر رہا ہوں نا۔ وہ بہت اچھا  
لاکا ہے بیٹا۔" لمانا کو سرزنش کے بعد بابا بولے۔



جو اس کے چہرے کے نقوش میں رنج بس گئی تھی۔  
آج مفتوح تھی۔ لیکن توجہ کے برعکس جب اہل کو  
سب کا منہ ٹھکا کرواتے دیکھا تو ساری ہشاشت رونو چکر  
ہو گئی۔

”تائبہ نے ہل کر دی ہے۔“ اہل کو تو ہفت اقلیم  
کی دولت مل چکی تھی جیسے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ  
نہ بول پایا۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے ہسلا کام  
ایشل کو فون کرنے کا کیا۔ مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک  
تھی۔ ایک دو تین۔ اس کی ہر کوشش بے سود۔  
بالآخر اس نے سب کچھ اہل کو بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

رات بار بجے تک حمدان کی کالز آتی رہیں، لیکن  
اس نے ہر بار آنکھیں کھلی۔ آج جب وہ کالج سے چھٹی کے  
بعد وین کا انتظار کر رہی تھی تو خالہ کا فون آ گیا۔ جو کہ  
متوقع تھا۔ خود کو تیار کرتے ہی اس نے فون اٹھا لیا۔

”وعلیکم السلام۔ کیسی ہو میرے بچے؟“  
”ٹھیک ہوں خالہ۔ آپ سنائیں۔“ شور سے  
بچنے کے لیے وہ ایک طرف ہو گئی۔

”کیا تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو بیٹا؟“ براہ  
راست خالہ نے پوچھ لیا۔

”آپ کو کس نے کہا خالہ؟“ معصومیت۔

”حمدان کہہ رہا تھا کہ تم نے اسے کال کی تھی۔“  
نظرانہ انداز۔

”میں نہیں خالہ۔ حمدان بھائی اس رشتے سے  
خوش نہیں ہیں۔“ کال کس نے کی؟ بات چھپائی گئی۔  
”اس نے یہ کہا تمہیں؟“ تھوڑا غصہ آیا۔

”جی خالہ۔ اور ویسے بھی اگر وہ خوش نہیں ہیں تو  
آپ زبردستی نہ کریں پلیز۔“ اپنی مرضی بالکل چھپا  
گئی۔ درحقیقت وہ حمدان کا کندھا استعمال کر رہی  
تھی۔

”ارے بیٹا۔ تم دونوں بچے ہو ابھی۔ ایک  
دوسرے کو سمجھو گے تو دعائیں دو گے ہمیں۔ اس کی  
تم فکر نہ کرو، میرا حمدان بہت اچھا، بہت محبت کرنے  
والا ہے۔ یہاں پہلے میرا۔“ فون کیپٹے توڑ ہو گا تم لوگوں  
کا۔ ان شاء اللہ میں تو ڈی سی تھی۔“ خالہ نے تو یہ

”لیکن وہ حمدان بھائی ہیں بابا۔ مجھ سے کتنے بڑے  
ہیں وہ۔“ بابا کے اصرار پر وہ حیران تھی۔ بھائی پر نور  
دیا۔

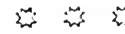
”عموں کا فرق ایسی ٹھوس وجہ نہیں ہے بچے! جس  
کی وجہ سے ہم اتنے اچھے رشتے کو انکار کریں پھر یہ ان  
کی خواہش ہے تمہاری خالہ نے بہت ملن کے ساتھ  
تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔“ بابا گویا ان کے وکیل بن گئے  
تھے۔

”لیکن بابا مجھے حمدان بھائی نہیں پسند۔ پلیز۔“  
اسے لہماکی شعلہ بار نظروں سے خوف آنے لگا۔

”رہنے دیں جاوید۔ ہم صرف ان کے جوتے  
کپڑوں اور برہائی کے اخراجات اٹھانے کے والدین  
ہیں۔ ان کی شادی یا ان کی تعلیم سے متعلق کوئی فیصلہ  
کرنے کا اختیار ہمیں ہے ہمارے پاس۔“ اما تو غصے  
میں پرانے حساب بھی برابر کرنے لگیں۔ ایشل کی  
میڈیکل کے بجائے فائن آرٹس میں جانے کی ضد۔ اما  
ابھی تک خائف تھیں۔ وہ اپنے مل باپ کے رویتے  
پر حیران ہوتی وہاں سے آگئی تھی اور بہت سوچ کر  
حمدان کو فون کیا اور وہاں سے بھی ہلک آمیز جواب سن  
کر اب جلی بھنی بیٹی آگے کالانچہ عمل طے کر رہی  
تھی۔

یہ تو طے تھا کہ حمدان اسراف سے شادی نہیں کرنا  
چاہتا تھا لیکن فرما بھاری کی سند حاصل کرنے کے لیے  
ہاں کیے بیٹھا تھا۔ اور اب وہ ایشل کی طرف سے انکار کا  
منتظر تھا۔

”لیکن حمدان اسراف میں چھوٹی ضرور ہوں، یہ وقوف  
نہیں۔ انکار تو تم ہی کرو گے۔“ آنے والے دنوں میں  
گھر میں پیدا ہونے والے حالات کے قطع نظر ایشل  
جاوید، حمدان اسراف کی ہندوؤں کے لیے اپنا کندھا استعمال  
نہ کرنے دینے کا تہیہ کر چکی تھی۔



آج جب وہ آفس سے گھر آیا تو ہشاش بشاشت تھا۔  
پچھلے کئی دنوں سے ایک عجیب سی آکٹا ہٹ اور تھکاوٹ

ہی السہوی تھی وہ سر ہاتھ رکھ کے بیٹھ گئی۔



نظر انداز کیا گیا اس سوئڈ بوڈلر کے کو جاننے ہی نہ ہوا۔  
سو اس نے بھی کوئی مصروفیت ڈھونڈنے کے لیے اپنی  
جیبیں ٹٹولیں۔

”اذان! امیرا موبائل؟“ اسے یاد آیا کہ اذان نے  
تصویریں بنانے کے لیے لیا تھا۔

”مدح آپ کی کپاس۔“ گیٹ سے گاڑی نکلتے  
ہر آواز بلند بولا اور زن سے گاڑی لے اڑا۔

”حد سے دیسے۔“ اس کی عقل یہ ماتم کرتا رہی  
اماں ابا کے پیچھے لاؤنچ میں آگیا۔ اسے کچھ سہل نہ ہو  
کرنا تھیں۔ مدح اور ایشل تو اپنے کمرے میں جا چکی  
تھیں۔ اس نے ارد گرد دیکھا، عابدہ ابھی باہر چمکا  
سمیٹ رہی تھی۔ کچھ سرج کر وہ خود ہی بیڑھیاں چہ  
مکھیا۔

”بس کرو ایشل! اور کتنا روڈ گی؟“ ایشل کی  
سسکیوں کے درمیان ابھرتی مدح کی پریشان سی کوا  
نے دستک کے لیے بڑھتا اس کا ہاتھ روک دیا۔

”تم کیوں نہیں رو رہیں مدح۔ تم بھی رو میرے  
ساتھ۔“ بچکیوں کی زد میں گھڑی ایشل لی آواز سن کر  
وہ از حد پریشان ہو گیا۔

”جیسے بتا رہا تھا رو پیل۔ مجھے اب خوش ہوا  
سے تمہاری خوشی میں۔“ مدح نے گویا اس کو خوشی کا  
احساس دلانا چاہا۔

”خوشیاں ایسی ہوتی ہیں مدت۔ جو ہر انہیں ۱۴  
چاہے تھا۔“ رونا پھر سے شروع ہو چکا تھا۔

”بس کرو میری جان۔ تمہیں پتا ہے تم دونوں  
اسے اچھے لگ رہے تھے ساتھ میں۔ اتنی پیاری اور  
مکمل جوڑی۔“ حمدان اپنی عادت کے برعکس ان کی  
باتیں سنتا خود کو تصور وار تھمرا رہا تھا۔

”جی۔؟“ سسکیاں جیتے بچوں کے سے انداز میں  
پوچھا گیا۔ وہ بھی مسکرا اٹھا۔

”جی۔ اور پتا ہے حمدان جیکے جیکے تمہیں دیکھا  
تھا۔ میں نے خود دیکھا۔“ جھوٹی لڑکی حمدان نے سہا  
مسکراتے ہوئے۔

”لیکن اچھا نہیں ہوا۔“ ایشل کی سوتی وہیں آگ

سلور گرے کمر کے بھاری کددار غرارے میں  
ڈیرانٹو جیولری پہنے یہ وہ چلبلی سی لاپرواہ سی ایشل تو  
نہیں تھی۔ یہ تو کوئی مغلیہ دور کی شہزادی لگ رہی  
تھی۔ جو کسی دھمکی شاعر کے جھینکے لفظوں میں ڈھلی اسٹیج  
پر بیٹھی ہو۔ فوٹو گرافر کی کلک کے ساتھ ابھرنے والے  
قدیش سے اس کی آنکھوں میں اٹکے موتی صاف نظر  
آتے تھے مگر صرف دیکھنے والے کو اور وہاں کوئی اتنا  
فاسخ نہیں تھا جو ان بے رنگ موتیوں کو دکھاتا۔ وہاں  
تو ہر کوئی اپنے اپنے سوگ کے موتی چن رہا تھا۔  
قمقموں سے سجایا گیا لان، پھولوں سے بھرا اسٹیج ڈی  
جے کے بجائے جانے والے روڈ کی گمانے اذان کی  
چمکاریں۔ کچھ بھی ماحول کی اداسی کو کم کرنے میں  
نہا، یاب نہیں ہو رہے تھے۔ اور کسی نے اس اداسی کو  
محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ تمہید اور اسفر صاحب نے  
ضربور محسوس کیا۔ جی و ناراشر ناراض سے بلیک  
نومیں میں ملبوس اپنے شہزادے کو دیکھتے اور بھی جب  
جیب سے تانبہ اور چاقو کو دیکھا پار پار پونے کی کوٹیشن  
کی آئینہ ممانوں کی مہمانی میں۔ پوچھ گچھ۔  
مشتی کی یہ تقریب اپنی نوعیت کی منفرد تقریب  
تھی۔ جس میں دو ممانوں کی خفا خفا سے تھے۔  
دائیں کے چہرے پر تو چوڑی مسکرتی تھی کاساتہ شہزادے نہیں  
دو ممان صاحب کا چہرہ ایشل جیسے ناثر اور سیٹ تھا۔ کوئی  
اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ دو ممان۔ اس وقت کیا سوچ رہا  
تھا۔ اس انٹرویو تقریب میں انٹرویویاں پہنا تے کی رسم  
بہن دونوں کی اماؤں نے ادا کی۔ تقریب ختم ہوتے ہی  
اسٹیج پر بیٹھے دونوں ممتوں نے کچھ کاسائیں لیا۔ گھر  
کے بڑے ممانوں کو الوداع کرنے گئے، محب تو  
تقریب ختم ہونے سے پہلے ہی کہیں چلا گیا تھا۔ سو  
اندرون شہر کے کچھ ممانوں کو راپ کرنے کی ذمہ  
داری اذان کے سر آئی۔ حمدان نے اشاروں ہی  
اشاروں میں اماں ابا کو چلنے کا کہا، لیکن انہوں نے یوں

تھی۔  
 ”اف۔“ مرچ کی آنتلی آواز کے ساتھ وہ بھی آتا  
 گیا۔ اسے لگا جیسے وہ ریڈیو پر کوئی ٹیچر ڈرامہ سن رہا  
 تھا۔ ہر حال وہ میلز چیک کرنے کا ارادہ ترک کر کے  
 واپس مڑا۔ میری وجہ سے ایک لڑکی کی آنکھوں میں  
 کتنے آنسو آئے۔ وہ خود کو اپنے والدین کو قصور وار  
 ٹھہراتا بچہ اتر آیا۔ لیکن وہاں ایک اور کہانی اس کی  
 منتظر تھی۔ مرچ اور ایشل کے مکالمے کا اہم اب گھل  
 گیا تھا۔  
 ”اس لڑکے نے تو کہیں منہ دکھانے کے قابل  
 نہیں پھوڑا مجھے۔“ یہ تائبہ تھیں جو مرچ کی درگت  
 بنا رہی تھیں۔ کیونکہ مرچ نے مرچ سے شادی سے  
 انکار کر دیا تھا۔  
 ”میری تو خواہش تھی کہ ایشل اور حمدان کے ساتھ  
 ان دونوں کی بھی رسم کروں گے۔ لیکن۔“ پھر آنسو۔  
 ”اف پاکستانی عورتیں کتنا روتی ہیں۔“ حمدان بس  
 سوچ ہی سکا۔ اسے اس جذباتی ماں سے بیکار ہمدردی  
 نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ اس کے خیال میں اگر مرچ  
 شادی مرچ سے نہیں کسی اور سے کرتا چاہتا ہے تو  
 مضائقہ کیا ہے۔ لیکن ان پاکستانی ایم۔ نسل ماؤں کا کیا  
 کیا جائے۔  
 ”تو مس ایشل اپنے رشتے کی وجہ سے نہیں بیکار  
 مرچ کا رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے رو رہی تھیں۔ میں  
 یونہی شرمندہ ہو رہا تھا۔“ وہ بکا پھوٹا ہو کر ہارٹش آیا۔  
 اب اسے نابہ کو موبائل لانے کا کہنا تھا۔

۔۔۔

ایشل شاید اس رشتے کو روکنے کے لیے اور بھی باتھ  
 پاؤں لگا رہی تھی وہ مرچ کی حرکت کی وجہ سے اپنے ماں  
 باپ کی پریشانی کا احساس نہ کرتی تو۔ مرچ نے تو گویا  
 اس گھر کے عینوں پر ہم پھوڑ دیا تھا۔ ماما کو تو ایشل اور  
 مرچ سے زیادہ مرچ پاری تھی۔ مرچ کی خواہش ان  
 کے لیے کسی حد سے کم نہ تھی۔ سہا پھو پھو اور  
 مرچ کے لیے تو تکلیف دہ تھائی بابا بھی سہا پھو پھو سے

نظر سے چرانے لگے اور ایشل تو یقین ہی نہیں کر پاری  
 تھی۔ کیا مرچ سے اچھی بھی کوئی لڑکی ہو سکتی ہے جو مرچ  
 بھائی کے لیے۔ اگر مرچ کی پسند نہ ہو تو ایشل کو اتنا  
 پر اہم نہ ہوتا۔ لیکن مرچ تو محبت کرتی تھی مرچ سے۔  
 اس نے مرچ کی محبت کو ہرٹ کیا تھا۔ ایشل اپنی مینشن  
 بالکل بھول گئی۔ اسے صرف مرچ کی فکر تھی۔ اس کی  
 محبت کا غم تھا۔ مرچ اور سہا پھو پھو نے ابتدائی جھڑپ  
 کے بعد خود کو کسی حد تک کمزور کر لیا تھا لیکن ایشل اپنی  
 پسند تائبہ سب بھول کر اپنے ماں باپ کے دھم دلوں  
 کی خاطر مکتبی کی انگوٹھی پہنے جھٹھی تھی۔  
 ”دون کے بعد وہ کالج گئی تو اس کے جانے سے پہلے  
 ہی اس کی مکتبی کی خبر پہنچ چکی تھی۔  
 ”مکتبی نمسنی مکتبی کروالی۔ ہمیں بتایا بھی  
 نہیں۔“ حیانے اسے دھپ رسید کرتے ہوئے گلہ  
 کیا۔  
 ”تمہیں کس نے بتایا۔“ وہ حیران تھی کیونکہ اس  
 نے کسی کو بھی نہ بتانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔  
 ”مرچ آپ نے ڈی پی لگائی ہے۔ یہ دیکھو،  
 تھینکس نو مرچ آپنی۔ ورنہ تم تو خود سے نہ  
 بتائیں۔“ اس کا دل چاہا اکیس توپوں کا رش مرچ کی  
 طرف کر کے اس کو سہا پھو سے۔ اب سب حیا کا  
 موبائل چھٹ رہی تھیں۔  
 ”دیکھاؤ۔ دیکھاؤ مجھے بھی دکھاؤ۔“  
 ”واؤ کتنا پینڈرسم مکتبی تیرے تہہ ارا۔ کہاں چھپا کے  
 رکھتا تھا اتنا چارنگ کمزب۔“ سب اسے چھیڑ رہی  
 تھیں۔

”وہیے اس نے ماں کیسے کر دی تمہارے لیے۔“  
 صدف کے جھمرے سے تو جیتنے اسے سوئی سی چھٹی۔  
 صدف ان لڑکیوں میں سے تھی جو خود کو بڑی چیز سمجھتی  
 ہیں۔ جل بھی گئی تھی شاپر۔  
 ”ہاں کیا مطلب۔ انہی کی ضد ہے تو ہوا ہے یہ رشتہ  
 ۔۔۔ ورنہ میں تو ماں ہی نہیں رہی تھی۔“ جین کے  
 احساس کو کم کرنے کے لیے ایشل نے ہٹا سوچے مجھے  
 جھوٹ بولا۔ اور جلتے والے مزید جلتے لگے۔



چار ہتے مسکراتے چمکتے چہرے۔ ان میں سے کوئی چہرہ بھی مدح کا نہ تھا۔ یہ یقیناً "ایشل" کی سہیلیاں تھیں۔ اخلاقاً "کڑے" ہو کر ان کا استقبال کیا۔ وہ ابھی تک ان کی آمد کی وجہ نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ بار بار ایشل کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھ رہا تھا لیکن وہ تو جیسے حمد ان کے علاوہ کمرے کی ہر چیز کو دیکھنے آئی ہو۔

"مستثنیٰ کی بہت مبارک ہو حمد ان بھائی۔" انہوں نے بیٹھے ہی خودی اپنا اپنا تعارف کروایا اور مبارکباد دینے لگیں۔

"بہت شکریہ۔ کیا لیں گے آپ لوگ۔ ٹھنڈا گرم؟" بہت آکوردہ چوہن کے باوجود وہ اخلاقاً بھاربا تھا۔

"جوس پلیز۔" حیانے بنا تردد کہہ دیا۔

"بہت تھک گئے آج تو۔" حیانے آج صبح سے اپنے پروجیکٹ کے پیچھے مقبوضہ جہانگیر لکھے ہوئے تھے واپسی پر میل سے گزر رہے تھے تو آپ کا آفس نظر آ گیا۔ سوچا آپ سے مل لیں۔" یہ گوہر تھی۔

"زبردستی۔ یہ بھی بتاؤ نا۔" صدف نے ایشل کو دیکھتے ہوئے لقمہ دیا۔ وہ تو حمد ان کو بھی نظر آ رہا تھا اور پلیز کے ادھر سے مسیح کا مطلب بھی سمجھ رہا تھا۔

"حمد ان بھائی۔ آپ تو ریل میں زیادہ ہینڈ سم ہیں۔" اب ایشل تھوڑا جڑ بڑھ گئی۔

"چلو چلتے ہیں۔" ایشل نے ساتھ بیٹھی گوہر کو چٹکی کالی۔

"ارے ایسے کیسے۔ ابھی تو جوس بھی نہیں آیا۔" یہ خضریٰ تھی وہ پھر علامتی سر ہچکڑا بیٹھ گئی۔

"ارے نہیں نہیں، آرام سے بیٹھیں میں فری ہوں۔" حمد ان کا موز بھی آن اچھا تھا یا شاید اتنی لڑکیوں دیکھ کر اچھا ہو گیا تھا۔ ایشل نے کسی سوچا۔

"یہ ہوئی ثابت۔" حمد ان بھائی آپ کا انداز نہیں فکس بھی کسی ٹائل کے بیرونی حصے ہے۔"

"ہاں اور نہیں تو کیا۔" کون آن کل ایسا کرتا ہے۔

"امیژنگ۔" وہ کیا بات کر رہی تھیں۔ وہ خاک۔

کچھ پایا۔ ایشل کو دیکھا جس کی بے چینی حد سے سوا

"اوہو۔" سب کو رس میں اسے چھیڑنے لگیں اور وہ اب اس جھوٹ کو چھپانے کے لیے کئی سو جھوٹ اور بولنے والی تھیں۔ سب اس کے گرد جھگڑا لگائے بیٹھی تھیں۔ کوئی رشک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور کوئی حسد بھری نظروں سے۔ اور وہ قلوبہ بیٹی حمد ان کی اس محبت کے قصے سناتے گئی جس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔



گھر کی فضا میں ایک عجیب سی خاموشی اور اداسی سرایت کر چکی تھی اور ہر فرد اس کے زیر اثر تھا۔ ایشل بھی مدح سے چھٹی پھر رہی تھی۔ اور مدح شاید سب سے۔ محب چاہتا تھا کہ حرم کے گھر رشتہ لے کر جائیں۔ لیکن کوئی اس کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ بلکہ کوئی اس سے بات بھی کرنے کو تیار نہ تھا۔ سوائے سیمپھو پھو کے۔ وہی اسے کھانا دیتیں، چائے پوچھتیں اور دوسرے چھوٹے موٹے کام۔ بنا کچھ بنائے بالکل پہلے کی طرح۔



حمد ان کرسی کی پشت سے سر ٹکائے خود کو ریلیکس کر رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد میننگ رکھی گئی تھی۔ سوتب تک اسے ذہنی طور پر پرسکون ہونا تھا۔ موبائل کی مہینچہ پنے اسے متوجہ کیا۔

"پلیز۔" ایشل کا مسیح تھا۔ صرف "پلیز" وہ تذبذب میں پڑ گیا اس سے پہلے کہ اسے فون یا مہینچہ کرنے کا سوچا انٹر کام کی کھنٹی نے متوجہ کیا۔

"سر! اس ایشل آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔" آپریٹر کی آواز آئی۔

"بیچ دیں۔" وہ حیران ہوا۔

"سردہ اکیلی نہیں ہیں۔" آپریٹر ابھین میں تھی۔

"ان کے ساتھ جو بھی ہے تم نہیں بھیج دیں۔"

مدح ہو گئی اس نے سوچا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

چند ثانیوں کے بعد بکلی سی دستک کے ساتھ پہلے ایشل کا پڑمردہ چہرہ نمودار ہوا اور پھر ایک کے بعد ایک

تھی۔ ”کیا مطلب؟“

”ارے یہ ان گلاب کے اٹھارہ گلدستوں کا ذکر رہی ہے جو آپ نے ایشل کی اٹھارہویں برتھ ڈے پر بھیجے تھے۔“ صدف نے اس کی مشکل آسان کی۔

”جی۔؟“ اٹھارہ بکے وہ تو حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔

”اچھا بس کرو۔۔۔ جس ختم کرو اور چلو۔“ ایشل میں اب مزید سنے کی تاب نہ تھی۔ جس آدکا تھا۔

”اس میں تو پہلے ہی ہمت آکر تھی۔ لیکن جب سے آپ نے محبت کا اظہار کیا ہے یہ تو اور مغبور ہوئی ہے۔“ صدف نے ناک سیکر کر کہا۔

”محبت کا اظہار؟“ اب تو سمندر میں غوطے کھاتے ہوئے آئسبرج بھی ختم ہونے والی تھی۔ اس نے پیہ نہ خشک کرتی ایشل کو دیکھا۔

”میں نے کہا تھا نا۔۔۔ یہ بڑی ہیں اٹھو چلو۔“ اب تو ایشل گھبراہٹ کے مارے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”حمران کی نظروں کی تاب لانے کی سکت نہ تھی۔“

”اور آپ کو پتا ہے حمران بھائی! یہ کس قدر گھوس ہے“ اتنے دن ہو گئے آپ کی مکتبی کو“ اس نے ابھی تک ہمیں ٹریٹ نہیں دی۔ آج تو آپ سے ٹریٹ لے کر ہی جائیں گے۔“ ایشل کی بات نظر انداز کرتی گوہر کی اس بات کی باقی تینوں بھی ہمنوا ہو گئیں۔

”حمران کچھ کچھ جوینشن سمجھ چکا تھا سو ہینڈل کرنے کی ٹھان لی۔“

”جی جی۔ تو کیا کھائیں گے آپ لوگ۔“ ایشل کو گھور کر حمران ان سے مخاطب ہوا۔

”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں جلدی ہے۔“ ایشل منمنائی۔

”کوئی جلدی نہیں ہمیں لپچ کریں گے ہم۔“ چاروں شیرنیوں نے اسے گھر کا۔

”بس بھی کرو ایشل۔ ختم کرو ناراضی۔“ حمران بھی شرارتی ہوا۔

”اچھا تو آپ لوگوں کی ناراضی چل رہی ہے چلو

ہمارے ہمارے آپ کی صلح بھی ہو جائے گی۔“ حیانے شونخ لہجے میں کہتے ہوئے ایشل کو کنسی ماری۔

”جی جی ضرور۔۔۔ چلیں بھر ٹیٹ دیتے ہیں ہم آپ کو۔“ حمران گھڑی دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایشل تو جیسے کانٹو بدن میں لمبو نہیں کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔

پارکنگ ایریا میں آئے تو لاکھ اس کے منع کرنے پہ حیا نے اسے حمران کی گاڑی میں بٹھادیا۔ باقی سب خفزی کی گاڑی میں ان کو فالو کرنے لگیں۔

”مس ایشل! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ سب کیا ہے؟“ گاڑی سڑک پر لاتے ہی وہ غصے ہوئے سخت لہجے میں گویا ہوا۔

”وہ۔۔۔ یہ اصل میں۔۔۔“ وہ منمنائی۔ جواب بن نہیں پا رہا تھا۔

”کیا وہ یہ۔۔۔؟“ مزید سخت لہجہ۔ اب وہ بھی ایشل تھی جو کنسی شروع۔

”میں کیا کرتی۔ کس نے آپ کو فیس بک پہ اپنے آفس کا نام اور ایڈریس ڈالنے کا کہا تھا اور جب میرے منع کرنے کے باوجود‘ زبردستی وہ آج بھی گئی تھیں تو کیا ضرورت تھی اتنا فری ہو کر بات کرنے کی۔ اور میں نے کتنا بلا لایا کی بات کو۔ لیکن نہیں سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔“

النا چور کو تو ال کو ڈانٹے۔ اور کو تو ال صاحب تو حیران پریشان۔

”ایکسکیوز می۔۔۔ میں اٹھارہ بکے اور اظہار محبت کی بات کر رہا تھا۔“ بلجہ سیلے کی نسبت ذرا نرم تھا۔

”یہ سب میں نے مجبوری میں کہا تھا۔“ ڈھیٹ بچے کی حد۔

”یعنی جھوٹ بولا۔“ احتیاط سے موڑ کاٹتے اسے احساس دلانا چاہا۔

”آپ نے بھی تو ابھی جھوٹ بولا۔ ہماری ناراضی کا۔“ حاضر دماغ تو بلا کی تھی۔

”تو تمہارے جھوٹ کو سپورٹ کرنے کے لیے بولا تال۔“ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

”میں نے بھی کسی بات کو سپورٹ کرنے کے لیے

بولتا تھا ہے سب۔ ”ویدو بولی۔ وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی دانتہ کو شش کرنے لگا۔

”دیے بھی اس سے آپ کا کوئی نقصان تو نہیں ہوا۔“ ”وڈا سکرین پر نظر میں جمائے ہوئے سے بولی۔

”ہوا نقصان۔ میرا راج خراب ہوا۔“ ”ایک چائینز رستوران کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کرتے بولا۔

”جیسے ہمارا رشتہ عارضی ہے۔ یہ ایفکٹ بھی عارضی ہو گا۔ ڈنٹ وری۔“ ”تاسف سے کتنی وہ گاڑی سے باہر نکل گئی۔“

نیل کے گرد بیٹھے چمکتے چمکتے چروں میں ایٹل کا بیزار سا چہرہ سب سے نمایاں تھا۔ حمدان اس کی سیلیں کو پورا پورا ٹوکول دے رہا تھا۔

”چمچھورا“ ایٹل نے زیر لب اسے نیا خطاب دیا۔ اسے غصہ ان سب کے ساتھ فری ہونے کا تھا یا خود کو اکتور کیے جانے کا، وہ کنفیوڈ تھی۔ دیر کو بلا کر آرڈر دیا گیا جو بمشکل فاسٹل ہوا۔

”ایکجولی میں آپ لوگوں کو جوائن نہیں کر پاؤں گا۔ مجھے ایک ضروری میٹنگ میں پہنچنا ہے۔“ وہ گھڑی دیکھتا کھڑا ہو گیا اور قدرے معذرتی انداز سے جانے کی وضاحت کی۔

”انجوائے پور سلف۔“ یہ کہتا وہ نکل کھڑا ہوا۔ سب ہکا بکا ایٹل کی شکل دیکھنے لگیں۔

”بھئی اپنے اپنے والٹ چیک کرو۔“ سبوسوں کی ٹریٹ کے بدلے ہوٹل کے برتن نہ دھونے پڑ جائیں۔“ حیانے مصنوعی انداز میں ڈرتے ہوئے سب کو خبردار کیا۔ ایٹل کی تو خود صورت حال سمجھ میں نہیں پاری تھی کہ مسیج کی ٹون بجی۔

”پے منٹ میں نے کر دی ہے۔“ حمدان کا مسیج تھا۔

”تک کہ کانسٹن لینے سب کو اطلاع دی۔ اب سب پھر سے حمدان کی تعریف میں شروع ہو گئی تھیں۔ اب کہ واقعی تعریف۔ حمدان کا یہ روپ دیکھ کر ایٹل تھوڑی مغروری ہو گئی۔ کب سے انکی سانس بھی بحال ہو چکی تھی۔

\*\*\*

اپنے پریش بند پر چت لینا چمت کی ڈیکور میں لگے جا بجا ٹیشوں میں وہ اپنا عکس دیکھ رہا تھا اپنے لپوں پر بکھری مسکراہٹ کو محسوس کر کے کھسکا سا ہو گیا۔ آج دسپرسے وہ کئی بار خود کو مسکراتا پکڑ چکا تھا۔ آج دوسری بار وہ ایٹل کی بملوری کا قائل ہوا۔

”ایسے مختلف مزاج لوگوں کا زندگی میں ہونا ضروری ہے۔ خاص کر میرے جیسے بندے کی، جس کے پاس مسکراہٹ کی وجہ ڈھونڈنے کا بھی وقت نہ ہو۔“ وہ ایٹل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

”لیکن صرف دوست کی حد تک۔“ لائف بارنر کی حیثیت سے ایسا نہیں مذاق اذوڑ نہیں کر سکتا میں۔ مد ہے بچنے کی۔“ خود کو کھر کا کہہ کر اس نے موقف سے پیچھے نہ ہٹ جائے۔ اس کی جذباتیت ختم ہونے ہی اس قصے کو ختم کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ اپنے کیے گئے فیصلے پر تجدید کی مہر لگا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے یاد آیا کہ کل ہی اذان بتا رہا تھا کہ فونو گراف نے سافٹ کالی بیج دی ہے۔ سوا بھ لپ ٹاپ کھولے تصویریں دیکھ رہا تھا۔

”میک اپ بھی مکمل کی چیز ہے۔ چھوٹی عمر کی لڑکیوں کو عورت بنا دیتا ہے اور اوجیز عمر عورتوں کو لڑکیوں۔“ اس نے ساتھ بیٹھی ایٹل (جو اس کی ہم عمری لگ رہی تھی) کی تصویر غور سے دیکھنے کے بعد خود کو اس کی خوب صورتی کا معترف ہونے سے روکنے کے لیے اچھا جواز دیا۔ اب وہ ساری تصویریں پھر سے دیکھ رہا تھا۔

”دیکھنے میں تو سب اچھا لگ رہا ہے۔ لیکن شادی بالکل بھی نہیں۔“ اپنے جینکے خیالوں کو روکنے کے لیے اس نے پھر سے اپنے آپ کو یاد دہانی کرائی۔

\*\*\*

”مجھے اپنے بیٹے کے رشتے کے سلسلے میں جانا ہے۔ کیا آپ میں سے کوئی میرے ساتھ چلے گا۔“ اسنے دنوں سے جاری کشش کو پھوپھو سیماکے تھکمانہ انداز



نے ختم کیا۔ جلیوید صاحب اور تابندہ جواب نے تیس سیمہ اور صبح سے چھپتے پھر رہے تھے۔ سیمہ کے اس انداز پر دُح سے گئے۔ تابندہ اپنی کرسی سے اٹھیں اور اپنی بات کے جواب کے انتظار میں کھڑی سیمہ کے گلے لگ گئیں اور دھواڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

”بس بس۔ بیٹے کی خوشی پہ جانا ہے۔ آنسو صاف کرو۔ خدا میری صبح کے غیب اچھے کرے۔“ سیمہ کا دل ہمیشہ سے بڑا تھا۔ صبر و حوصلہ زندگی نے یہی سبق تو پڑھائے تھے اسے۔ جلیوید صاحب نے تم آنکھوں سے سیمہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”ہائیں معاف کرو سیمہ۔“

”بھائی پلیز۔ اگر صبح، صبح کی بجائے کسی اور کا نام لیتی کیا پھر بھی آپ ایسا کرتے۔ ہمارے بچوں کی مرضی زیادہ ضروری ہے۔ زندگی تو انہوں نے گزار لی ہے۔ بس اب بہت ہو گیا یہ سوگ۔ صبح سے بھی ناراضی ختم کریں۔“ اپنی صبح کے آنسو اپنے دل میں چھپا کے سیمہ صبح کی خوشیوں منانے چلی تھیں۔ اور صبح جو اپنی ایک طرف یہ محبت کے گلے سنبھالتے سنبھالتے خود بکھر رہی تھی۔ آج تو اس سے اپنا آپ سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔ یہ تو کھل چکا تھا کہ صبح بھی بھی اس کا نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ پھر بھی سوہوم سے امید تھی کہ جیسے ہی یہ سیاہ رات گزر جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر سے پہلے جیسا صبح کے خواب صبح کے ہم کے لفظ اس کے دل سے ہوتے انگلیوں کی پوریوں کو چھوتے ہوئے صفحہ قرطاس پر بکھر بکھر جا میں گئے۔ لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ امید کا دیا بجھنے لگا تھا۔ آج سب اس کے صبح کو کسی اور کے نام کرنے گئے تھے۔ سوائے ایشل کے۔ ایشل کو نہیں جانا تھا۔ وہ اپنی صبح کی محبت کو مرنا کیسے دیکھ سکتی تھی۔ اس کا دل بانی سب جتنا بڑا نہیں تھا۔ اس کی صبح دھمی تھی تو وہ اپنے بھائی کی خوشیوں کیسے مناسکتی تھی۔ صبح کب سے دروازہ بند کیے بیٹھی تھی۔

”صبح۔ دروازہ کھولو صبح۔“ بلا آخر ہمت کر کے ایشل نے دروازہ بجایا۔

”صبح پلیز۔“ روتے ہوئے صبح میں جتنی ہوئی۔

”مجھے تھوڑی دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو ایشا۔“

صبح کی بھینکی ہوئی تواز آئی۔ سیاہ رات کا اندھیرا اس کی محبت کی مشق کو نکلنے کو تھا۔ تب تک کی مہلت جانی تھی اس نے۔ ایشل دیکھی دل کے ساتھ نچے لاؤنچ میں آئی۔ تھوڑی دیر کیٹ ہاؤس کو دیکھنے چلی گئی۔ آج تو چیکو کا پیار کرنے کا انداز بھی دل کو ہکا میں رہا تھا۔ وہ پھر لاؤنچ میں آکر اپنے موبائل میں الجھ گئی۔ وال پیپر پر دلہن بنی ایشل مسکرا رہی تھی۔

”تمہارا کزن کتنا پنڈم ہے ایشل۔ کیا اس کا چھوٹا بھائی بھی ایسا ہی دکھتا ہے۔“ خضریٰ کی بات یاد کر کے اسے حیران یاد آ گیا۔ کلنٹن کسٹنس میں جا کر حیران بھائی پہ کلک کیا۔ اس کی تصویر کھل گئی۔ سفید نی شرٹ میں کھڑے ہالوں کے ساتھ کتنا کوئی لگ رہا تھا۔

”اگر تمہارا امونڈ ہو شادی کا۔ تو مجھے ضرور بتانا۔“ میں ضرور اپریل کرلوں گی اس بندے کو۔“

صدف کی تواز جیسے کلن کے پاس سے آئی۔ یکدم ہاتھوں میں ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا۔ اس سے پہلے کہ کچھ سمجھ پاتی ”ہیلو“ کی تواز سے چوہ طبق روشن ہو گئے۔ چائیں کب انگلی لیج ہوئی اور کل مل گئی۔ اب حیران ہیلو ہیلو کا رہا تھا۔ اس نے گھبراہٹ پہ قابو پاتے فون کلن سے لگایا۔

”السلام علیکم حیران بھائی۔“ تھوک لگلا۔

”جی وعلیکم السلام۔ خیریت؟“ وہ شاید جلدی میں تھا۔

”وہ ایک چولی اس دن کے لیے سوری۔“ اور کچھ نہ بن بڑا تو یہی بول دیا۔ حالانکہ سوری کہنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

”ایکسکوز می۔ آپ نے سوری کہا یا مجھے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔“ وہ شرارت سے بولا۔

”جی آپ کو سننے میں ہی غلطی ہوئی ہے۔ سوری اور میں۔ کچھ نہیں۔“ اس کی شرارت کو بھاتپ کر وہ بھی ریلیکس ہوئی۔

”آپ بڑی تو نہیں۔“ اسے بات کرنا اچھا لگ رہا

ایشل کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ درحقیقت وہ یہاں سے بھاگ کر جا رہی تھی۔ شاید خود کو سنبھالنے سنبھالتے ٹھک چکی تھی۔ جلدیہ صاحب اس کو اکیلے جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ لہذا طے ہوا کہ سیماسی ساتھ جائیں گی۔ ان کے دوست برنٹم میں رہتے تھے سو ان کے توسط سے یونیورسٹی کے قریب ہی لارٹمنٹ ایریج کر دیا گیا۔ ایشل کو آئے والے دو سال دو صدیوں کے برابر لگ رہے تھے۔ ایئرپورٹ پر الوداعی ملاقات میں وہ کتنی ہی دیر صبح سے لپٹی رہی۔ دونوں کے پاس رونے کی بہت ساری وجوہات تھیں۔

\*\*\*

آج وہ آفس سے جلدی آگیا تھا۔ گھر میں آتے ہی کسی کو نہ پا کر کچن میں گیا دہلی زرنہ کھٹو چڑ کر رہی تھی۔

”ایک کپ چائے میرے کمرے میں بھجوا دیجیے پلیز۔“ سلام کا جواب دے کر وہ تھکے تھکے انداز میں مڑ گیا۔ یہ دیکھتے بغیر کے زرنہ نے کچھ کمنے کے لیے منہ کھولا تھا جو اس کی توجہ نہ پا کر بند ہو گیا تھا۔ اہل سوری تھیں۔ ٹھنڈے پانی سے شلوار لینے کے بعد حواس کچھ بحال ہوئے۔ چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر پڑا دیکھ کر وہ زرنہ کا مشکور سا ہوتا ہیڈ پر سمہ راز ہوا۔

”ٹھک، ٹھک۔“ آتی تیز آواز۔ جیسے کوئی کیل دیوار میں نہیں اس کے دماغ میں ٹھونک رہا ہو۔ ”اذان کیا کر رہا ہے اس وقت“ خود ہی سوچ کر پھر آنکھیں بند کر لیں لیکن ٹھک ٹھک رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ فوراً اٹھا۔ اس کے اور اذان کے کمرے کے درمیان میں ایک خلی کمرہ تھا۔ جس کو ابھی سیٹ نہیں کیا گیا تھا۔ بنا کے بھی سب جانتے تھے کہ یہ حسان کا کمرہ ہے۔ آوازیں وہیں سے آ رہی تھیں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ دھاڑے دروازہ کھولتے ساتھ ہی وہ تیز آواز میں بولا پھر ٹھک کر رک گیا۔ وہ ایشل

تھا۔ ”ایکچو“ کی رسم شروع ہونے والی ہے۔ سوبلا رہے ہیں مجھے سب۔ ”رسم مطلب؟ آپ بھی ملا لوگوں کے ساتھ گئے ہیں؟“ ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔ ”ہاں۔ کیا نہیں آنا چاہیے تھا؟“ ”بالکل بھی نہیں۔ جب میں نہیں مانی تو آپ کو بھی نہیں جانا چاہیے تھا۔“ جوش جذبات میں نہیں جانا کہ کیا بول گئی۔ ”آپ نہیں آئیں تو میں کیوں نہ آتا۔ ویسے آپ کو بھی آنا چاہیے تھا۔ غلطی کی آپ نے نہ آکر۔“ سرزنش کرتے ہوئے بولا۔

”آپ ان کی سائیڈ نہیں لیں گے تو اور کون لے گا۔“ نرم لہجے سے بولی۔ ”اچھا اس ٹاپک پہ پھر کبھی بات ہوگی۔ مجھے بلا رہے ہیں سب۔ اللہ حافظ۔“ ٹون بند ہو گیا تھا۔

\*\*\*

نظا ہر سب ٹھیک ہو چکا تھا۔ سب نے سب کچھ قبول کر لیا تھا لیکن پھر بھی ایک پراسرار خاموشی تھی جو سب کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ اہل البتہ محب بے حد خوش تھا۔ گھر میں تو وہ پہلے بھی کم ہی دکھتا تھا اب تو اور بھی معصوف ہو گیا تھا۔ اذان تو ہر دوسرے دن حاضری دیتا تھا۔ حالہ بھی آتی جاتی رہتیں، اہل البتہ حمدان نہیں آتا تھا۔ اس دوسری پیمانی زندگی کو ایک اور جہنم کا لگا۔ جب صبح کو اعلیٰ تعلیم کے لیے اسکالرشپ آفر ہوئی اور اس نے بلا جوں چرا قبول کر لی۔ حالانکہ نارمل حالات میں ایسا ناممکن تھا۔ صبح دو سال پہلے ایک ایسی ہی آفر ٹھکرا چکی تھی۔

”نہ جاؤ صبح پلیز۔ میں کیسے رہوں گی تمہارے بغیر۔“ ایشل متیں کر کر کے ہارنے لگی تھی۔

”مجھے جانا ہے ایشل۔ اچھا موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے اور ویسے بھی میرے بغیر رہنے کی تمہیں پریشانی بھی تو کرنی ہے۔“ ہلکے پھلکے انداز سے کتنی وہ

ہی اللہ ملی تھیں۔" اپنے کمرے سے چائے کا کپ  
اودھری لے آیا تھا۔ آج اللہ کا برتھ ڈے تھا۔ جو وہ  
بالکل بھول چکا تھا۔ اب ایٹل کی مشقت دیکھ کر اسے  
بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"سیدھی ہے؟"  
"تھو ڈارائنٹ کو۔ زیادہ کر دیا۔ ہل اب ٹھیک  
ہے۔"

"وہ نیٹ پکڑائیں۔" وہ اس کی مدد کر رہا تھا۔ اذان  
ایک لے کر آیا تو ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر "لو ہو۔  
واہی واہ۔" کہتا ان کو چھیڑنے لگا۔ وہ دونوں ہی اس کو  
ڈانسنے لگے یہ اور بات کہ دونوں کو ہی اچھا بھی لگ رہا  
تھا۔

ایک ہفتہ پہلے یونسی اذان نے غلہ کی سالگرہ کا ذکر  
کیا تو ایٹل جو بورت سے تھک چکی تھی فوراً  
سربراہز پاری پلان کر لی۔ غلہ کو خوش کرنے کے لیے  
اسکے بھی بنایا ان کی تصویر کو لٹا دینا تاکہ اور یہ سب  
دیکھ کر غلہ کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ غلو بھی بہت  
خوش تھے۔ غلہ بار بار ایٹل کا ہاتھ چومتیں۔

"ایسی خوشی تو یونسی کے ہی دم سے ہے۔ ورنہ ان  
لوگوں نے تو آج تک مجھے ایسا سربراہز نہ دیا۔"

"اللہ آپ زیادتی کر رہی ہیں۔ اس پلان میں  
میں بھی برابر کا شریک ہوں۔" اذان نے دہائی دی۔

پاری سے فاسخ ہو کر وہ لوگ لاؤنج میں آگئے۔  
حمدان تو بزنس بیوی لگا کر بیٹھ گیا۔ البتہ ایٹل اور اذان  
کا ریٹ پٹا ٹانگیں پسار کر دوسرے صوفے سے ٹیک لگا  
کر بیٹھے تھے۔ اذان، حمدان کا پٹا پٹ لے آیا تھا۔  
اب وہ دونوں تصویریں بھی دیکھ رہے تھے اور ساتھ  
ساتھ کنشس بھی پاس کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں بی  
وی میں کم حمدان کا موبائل بجایا، وہ دونوں بھی اس کی  
طرف متوجہ ہوئے مگر ایٹل کی حیرت کی انتہا نہ رہی  
جب محترم نے بنا دیکھے کل ڈس کنیکٹ کر دی۔  
ایٹل نے فوراً "اذان کو دیکھا جس نے کندھے اچکا  
لیے۔"

"اس حرکت سے یاد آیا پاری بس۔ ایک بات

تھی۔  
"اف۔ کتنی مشکل سے میرا ہاتھ بچا ہے۔ دستک  
نہیں دے سکتے تھے۔" حسب عادت وہ ناراض ہوئی  
تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" چار ٹانگوں والی میز می جو  
مزدور چنٹ کرنے کے بعد یہیں چھوڑ گئے تھے۔ اس  
کے اوپر چڑھ کر وہ کیل ٹھونکنے کی کوشش کر رہی تھی۔  
"دیکھ نہیں رہے۔ کیل ٹھونک رہی ہوں۔" وہ پھر  
ٹھک ٹھک میں مصروف ہو چکی تھی۔ حمدان نے دیکھا  
کمرے کی دیواروں پر جا بجا پنک اور سلور نیٹ کے  
"پٹے اور گلاب کے بے ایک خوب صورت ترتیب  
کے ساتھ لگائے گئے تھے۔ کوئی انونٹ مینج کیا جا رہا  
تھا شاید۔ اب وہ دلچسپی سے کیل ٹھونکتی ایٹل کو دیکھ  
رہا تھا۔ بلو جینز کے اوپر وائنٹ ٹاپ میں جوڑے میں  
سے نکلتی لٹوں کے ساتھ وہ بہت مہل مہل لگ رہی  
تھی۔ اور پہلے سے اسارت بھی۔

"وہ تصویر پکڑائیں حمدان بھائی۔" ایک طرف  
بڑے چوکور فریم کی طرف اس نے اشارہ کیا جو الٹا پڑا  
تھا۔ وہ جو تھکا ہوا تھا اور آرام کے موڈ میں تھا۔ سب  
بھول کر اس نئی چویشن کو انجوائے کرنے چلا تھا۔ اس  
نے فریم اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گیا اللہ کا اسکیج تھا۔  
"اللہ کا اسکیج۔ تم نے بنوایا۔" وہ حیران ہوا اور  
خوش بھی۔

"بنوایا نہیں خود بنایا۔" اذان نے ہوتے ہوئے بولی۔

"صحیح بتا ہے میں۔ اذان تو اتنی باتیں سنا رہا تھا۔"  
اس کو دلچسپی سے تصویر دیکھتے ہوئے چھ بیٹھی۔

"ہاں بھئی یاد آیا۔ فائن آرگس کی اسٹوڈنٹ ہوتی  
ہیں آپ۔ لیکن اذان بھی کچھ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔  
میں نے بھی صرف ٹاک کی لوٹنگ کی وجہ سے پہچانا۔"  
ابوہ شرارت برآں ہوا۔

"اودھریں مجھے۔ آپ دونوں کیا جانیں آرٹ  
کے بارے میں۔ باتیں سن لو بس۔" ہاتھ سے  
تقریباً "چھین کر دھو دیا" لگانے لگی۔

"تمہیں بھی اپنا ہاتھ صاف کرنے کے لیے میری



شرارت سے اسے چھیڑا۔ ایٹل نے بھی حسب سابق ایک اور چڑا۔

”ارے بھابھی جی۔“ ایک اور بڑی۔  
”پاری بھابھی۔“ اب کہ ایٹل نے کھن ہی پکڑ لیا اس کا۔ اس کی اپنی کھن کی ٹونیس گرم ہو رہی تھیں یہ سوچ کر کہ کہیں حمدان نہ سن لے۔  
”بس بھی کرو اب۔“ چھوڑا۔ ”آواز دیا کر اسے ڈالنا۔“

”کتی ظالم ہیں آپ بھابھی۔ میں آپ کو عزت سے نواز رہا ہوں اور آپ مجھے دھمو کوں پہ دھمو کے نواز رہی ہیں۔“ اپنے کھن چھڑاتے ہوئے وہ ہائے انداز میں بولا۔

”تم اسی قاتل ہو؟“ اس پر رحم کھا کے کھن چھوڑ دیا۔  
”صد شکر کہ حمدان نے نہیں سنا۔ (اس کے خیال میں)

”یہ دیکھو۔“ اچانک اذان نے اپنا موبائل ایٹل کے سامنے کیا۔

”واؤ۔ کتنا کیوٹ بچہ ہے۔ کس کا ہے۔“ دو تین ماہ کا بچہ اسکرین پر مسکراہٹ بکھیر رہا تھا۔

”آہستہ بولو۔“ حسان بھائی کا ہے۔“ اذان نے اسے ٹوکا۔ حمدان نے بھی اب کہ اذان کو ملا متی نظروں سے گھورا اور پھر کچن میں دیکھا۔۔۔ جہاں اہل ذرینہ کے ساتھ مصروف تھیں۔ نظرس دو بار بیوی اسکرین پر جم گئیں۔ ایٹل نے ان دونوں کے تاثرات دیکھے اور پھر مڑ کر غلہ کو دیکھا جو کچن میں ذرینہ کے ساتھ باتیں کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

”حسان بھائی کا بیٹا کتنا پیارا ہے نا۔ مجھے بھی یہ بچہ سینڈ کرو۔“ ایٹل نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہل تاکہ غلہ سن سکیں۔ حمدان نے فی دی چھوڑ کر اسے دوبارہ گھورا اور اذان نے تو اس کے ہاتھ سے موبائل ہی چھین لیا۔

”سانیکو۔ کہہ رہا ہوں آہستہ بولو۔“  
”اچھا سوری۔ سوری۔“ والٹس ایپ کر دیا۔  
”مسکراہٹ دباتے اس کی منت کرنے لگی۔ اور قصور

پلو سے باندھ لو۔ کام آئے گی۔“ اذان بھونڈے انداز میں شروع ہو گیا۔

”اگر یہ حضرت فی وی بہ برنس اپ ڈسٹ دیکھ رہے ہوں یا کوئی فٹ بیل پیچ دیکھ رہے ہو چاہے ریسٹ میں ہی ہو۔ ان سے بات کرنے کی غلطی مت کرنا۔ اور اگر بات زندگی اور موت کے مسئلے جتنی ضروری ہو تو احتیاطاً بات کرنے سے پہلے ارد گرد بڑی بھاری چیزیں اٹھا لیتا، جیسے وہ پیپر وٹ۔ یا جیسے کہ یہ شوپنس۔“

ہمدردانہ انداز میں وہ سمجھا رہا تھا۔ اور ایٹل کو ایک بار تجربہ ہو بھی چکا تھا۔ لیکن اذان کے مزاحیہ انداز پر مسکراتے ہوئے اس کے بازو پہ ایک دھبہ رسید کی۔  
”بچے کی بات بتانی ہے تمہیں۔ اور تم مجھے ہی مار رہی ہو۔“ بازو سلانا اسے کوس رہا تھا جو دوبارہ لپٹ

ٹاپ میں تصویریں دیکھنے میں مصروف ہو چکی تھی۔  
”چھوڑو اب یہ تم تو تزاخ سے بات کرنا۔ بھابھی کہا کرو۔“ غلہ نماز پڑھ کر کمرے سے نکلیں اور اذان کا آخری جملہ سننے ہی اسے ڈانٹنے لگیں۔ ایٹل جزیز

ہوئی۔

”بھابھی کون اسے؟ اور جس کی نسبت سے میں نے اس کو بھابھی کہنا ہے؟“ اسے تو خود پہ بھائی کتی ہے ابھی۔“ اذان نے اس کے ابھی تک ”حمدان بھائی“ کہنے پر چوٹ کی تھی۔

”کوئی نہیں غلہ۔ ایٹل ہی صحیح ہے۔“ وہ منمنائی اور کن اکھیں سے حمدان کو دیکھا۔ جواب اشتیارات بھی بے حد توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ یہ اور بات کہ آنکھیں اوھر تھیں۔ دھیان سارا ان کی طرف۔

”کیوں نام لے تمہارا؟ ہر رشتے کو اس کے نام سے بلائے سے اس کا تقدس بھل رہتا ہے۔ اور اب تم بھی بھائی کہنا چھوڑ دو۔“ پیار بھری ڈانٹ اسے بھی پلا دی۔

”ذرینہ بچوں کے لیے چائے تو بنا دو۔ کیا کر رہی ہو کب سے کچن میں؟“ ذرینہ کو پکارتی وہ کچن میں چلی گئیں۔  
”اچھا تو بھابھی صاحبہ۔ کہل تھے ہم؟“ اذان نے

”ابھی آنے سے پہلے خالہ نے جو مجھے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ مجھ سے حسان بھائی کے بیٹے کی تصویر لی تھی۔“ نوز بڑبڑکھنے کے لئے انداز میں بولی۔

”سُکلی؟“ حسان کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

”جی۔ نہ صرف تصویر لی بلکہ اسے پیار بھی کیا۔“ اس نے نوز کو محل کی۔

”واہ۔ ایٹل بی بی آپ نے تو مکمل کر دیا۔“ وہ واقعی خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوتا ایٹل کی سمجھ داری کا قائل ہو گیا۔

”کوئی نہیں۔ ایسے مکمل میں کرتی رہتی ہوں۔“ فرضی کالر جھاڑ کر اترتے ہوئے بولی۔

”جی جی۔ آپ کی کمالاتی شخصیت کا اندازہ ہو رہا ہے مجھے۔ چلو اسی بھی بریکنگ نوز کی خوشی میں آئیں کریم کھانا ہوں تمہیں۔“ سڑک کنارے بنے آئیں کریم پیار لر پر نظر پڑتے ہی مہول ہوا۔

”ارے نہیں حسان بھائی۔ دیر ہو رہی ہے۔ اس کی ضرورت نہیں۔“ اس نے سہولت سے منع کرنا چاہا۔ لیکن اس نے سڑک کنارے گاڑی روک دی۔

”پار لر میں نہیں جاتے۔ یہیں گاڑی میں لے آتا ہوں۔ کون سا للیور؟“ اس کو اپنی آنکھوں میں لیے پوچھ رہا تھا۔

”حسان بھائی۔ ضرورت نہیں ہے پلیز۔“ حسان کے رویے پر حیران ہوتی منع کر رہی تھی۔

”ویسے میں نے سنا تھا۔ اہں تمہیں کچھ رشتوں کے تقدس اور اہمیت کے بارے میں بتا رہی تھیں شاید۔“ اس کے حسان بھائی کہنے پر اس نے شرارت سے کہا۔

”چاکلٹ ڈنیا۔“ اس کی بات کو گول کر کے جیسے اس نے گھبراہٹ کے مارے جلدی سے للیور بتایا۔

حسان اپنا تھمہ روک نہ پایا۔

”اوکے۔“ سکرانا ہوا گاڑی سے نکل گیا۔

”اس کا مطلب ہے انہوں نے لوزن کی بھابی بولی بکواس بھی سنی ہوگی۔ اف۔ اتنی شرمندگی ہو رہی ہے مجھے۔ ویسے کتنا کنٹرول ہے اس بندے کو اپنے

لے کر ہی اس کی جان چھوڑی۔ لیپ ٹاپ پہ تصویریں دیکھ لینے کے بعد فولڈر بند کیا تو وال پیپر پہ ابھرنے والی تصویر نے گویا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔ چار پانچ لڑکے لڑکیاں کندھوں پہ بیک لٹکائے ہواڑ پر چڑھ رہے تھے۔

تصویر بنوانے کے لیے سب کے چہرے تصویر بنانے والے کی طرف مڑے تھے۔ دیکھی کر دینے والی چیز یہ تھی کہ حسان کے ساتھ جو لڑکی تھی اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ ایٹل نے بے دلی سے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ دل بچھ سا گیا۔ بمشکل چائے پی۔

”اذان مجھے چھوڑ آؤ۔“ صبح سے ایک سرخوشی جو پورے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھی اب مفقود تھی۔

”میں تو کو چنگ جا رہا ہوں۔ بھائی چھوڑ آئے گا۔“ اذان نے توہری جھنڈی دکھا دی۔

”یقین مانو۔ اچھی گاڑی چلا لیتا ہے میرا بھائی۔“ اس کی بری بری شکلیں بننا دیکھ کر اس نے پھر اسے چھیڑا۔

”ہاں تم جاؤ۔ حسان چھوڑ آئے گا۔“ خالہ نے بھی کہہ دیا۔ ورنہ وہ تو خالو کا انتظار کرنے والی تھی۔

”اچھا تو یہ تھی وہ پچھلی مولی جس کے لیے انکار کر رہے تھے محترم۔ ٹھیک ہے اچھی تھی، لیکن اتنی بھی حسین نہیں کہ بندہ مل باپ کے سامنے ہی کھڑا ہو جائے۔ پر دل آئے گدھی پہ تو پری کیا چیز ہے۔ اپنے

محب بھائی کو ہی دیکھ لو۔“

”تھینک یو۔“ فرنیٹ پیسٹہ پیٹھی خیالوں خیالوں میں نجانے کہاں جا پہنچی تھی کہ حسان کی ممنون سی آواز محل میں کھینچ لائی۔

”کس بات کے لیے؟“

”آج کے دن کی ہر چیز کے لیے۔ میں نے بہت دنوں کے بعد اہں کو اتنا خوش دیکھا ہے۔“ وہ واقعی مشکور تھا۔

”زیادہ فائل ہونے کی ضرورت نہیں وہ میری بھی کچھ لگتی ہیں۔ اور ہاں آپ کے لیے ایک بریکنگ نوز بھی ہے میرے پاس۔“ اپنا رخ حسان کی طرف پھیر کر بولی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”نوز بھی ہے میرے پاس۔“ اپنا رخ حسان کی طرف پھیر کر بولی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”نوز بھی ہے میرے پاس۔“ اپنا رخ حسان کی طرف پھیر کر بولی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”نوز بھی ہے میرے پاس۔“ اپنا رخ حسان کی طرف پھیر کر بولی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”نوز بھی ہے میرے پاس۔“ اپنا رخ حسان کی طرف پھیر کر بولی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”نوز بھی ہے میرے پاس۔“ اپنا رخ حسان کی طرف پھیر کر بولی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”نوز بھی ہے میرے پاس۔“ اپنا رخ حسان کی طرف پھیر کر بولی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

نے گھر پہنچے بری اپنا بازو ہٹایا۔ جہاں تھینہ لور اسفر صاحب ریشل کے عالم میں باہری مل گئے۔

”اس کو اندر لے جائیں اہل۔ ابا آب گاڑی نکالیں میں گاڑی کے لور پتھل پیہر زلے کر آتا ہوں۔ تھانے چلتا ہے۔“ پھر فون پر کوئی مہزواں کرناہ لاؤنج میں چلا گیا۔

”بس کرو میری بچی۔ کیوں اتنا دور رہی ہو؟ کیا کوئی بد تمیزی کی ہے انہوں نے؟“ سیڑھیاں اترتے اہل کی توازن کے وہ بے چین ساہواریہ تو اس نے سوچا ہے نہیں تھا۔

”نہیں خالہ۔ وہ میری انگوٹھی بھی لے گئے۔“ روتے روتے اس نے بتایا تو اتنی شنشن کے ماحول میں بھی حیران کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ”تھاپا“ منگنی کی انگوٹھی کے لیے اتنا رویا جا رہا ہے۔“

”تو کیا ہوا۔ میرے بچوں کا صدقہ۔ لور بنواؤں گی اپنی بچی کو۔ بس رونا نہیں اب پانی لاؤ ذرے نہ۔“ ”ان کے پاس کمن بھی تھی۔“ دروازے سے نکلتے

ایشل کی پھر روٹی ہوئی توازی محب اور جلیوہ صاحب بھی تابندہ کو اصرار چھوڑ کر تھانے چلے گئے قانونی قضاے پورے کرتے کرتے رات کے دو بج گئے تھے۔ ابھی تو محب کے دوست کے بھائی جو اسپئر تھے (کسی لور تھانے میں) انہوں نے بھی کالی ہلپ کی۔ بہر حال رات ڈھلانی بجے گھر پہنچے تو تابندہ اور تھینہ جاگ رہی تھیں۔ ایشل کو مارے خوف کے بخار ہو چکا تھا، لیکن وہ سو رہی تھی۔ حیران کو دکھ نے گھیر لیا۔

”کیسٹوئل سون بیلور لڑکی۔“ اہل کے پیڈ پہ سوئی ایشل پر ایک نظر ڈال کر وہ متاسف سا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ایک تھکا دینے والے دن کا تھکا دینے والا انجام ہوا۔



اس نے زندگی میں پہلی بار ڈاکو دیکھے تھے، اصلی کمن دیکھی تھی۔ اس چند سیکنڈ کے سین کی اتنی دہشت تھی کہ جب بھی آنکھیں بند کرتی ایک خبیث

ایکسپریشن پہ۔ گھٹا۔ جی بھر کے شرمندہ ہو رہی تھی۔

لورہ آنس کریم کا آؤر ڈوے کرگلاس ڈور میں سے ایشل کو دیکھا ہوا اپنے دل کو نئے سرے سے اس رشتے کے بارے میں سوچنے کے لیے تھلا پارا تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ کوئی شخص دعوہ پہ جبکا ایشل سے کچھ بات کر رہا تھا، حیران ہوا یہ کون ہو سکتا ہے بھلا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ پر نظر گئی تو وہاں ایک دوسرا شخص بیٹھ چکا تھا۔ سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں وہ بات سمجھ کر رہا ہوا، لیکن تب تک ڈاکو ایشل کو گاڑی سے نکال کر گاڑی بھاگ لے جانے لگے تھے۔ وہ ذری سہی ایشل کے پاس پہنچا۔

”ایشل۔“ اس کو دیکھتے ہی گھبراہٹ کے مارے وہ اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

”حیران بھائی۔ وہ گاڑی لے گئے۔“ اس کا سارا وجود جھکوں کی زد میں تھا اور پیسے سے شرابور ارد گرد لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے۔

”کوئی بات نہیں ایشل! تم ٹھیک ہو؟ سنبھلو خود کو۔“ اپنا بازو اس کے گرد لپیٹے اس کو تسلی دے رہا تھا۔ خود اس کے لیے بڑی عجیب سی چیزیں تھیں۔

”اس سڑک پہ ایک مینے میں تیری گاڑی لوٹی گئی ہے۔“

”تھانے رپورٹ کریں صاحب۔“ وہاں لوگ بھانت بھانت کے مشورے دے رہے تھے۔ اسے پہلے ایشل کو گھر چھوڑنا تھا۔ لوگوں کی مدد سے ٹیکسی روکی، ایشل کو اندر بٹھایا جس نے دونوں ہاتھوں سے اس کی شرٹ بوجھ رکھی تھی۔

”ریلیکس ایشل۔“ کچھ نہیں ہوا۔ اہل اوکے۔ وہ ایشل کو تسلی دیتا اب فون کر رہا تھا۔ آنس کریم وہیں کی وہیں رہ گئی۔ ایشل کے حواس بھل ہوئے تو احساس ہوا کہ فون پہ بات کرتے حیران کا ایک بازو ابھی بھی اس کو حصار میں لیے ہوئے تھا۔ اس نے دھیرے سے شرٹ چھوڑی اور غیر محسوس انداز میں اگ ہوتا چاہا۔ لیکن حیران کی گرفت مضبوط تھی۔ اس



”ٹھیک ہیں۔ بس نئی کوچٹ لگی تھی کل اب بہتر ہے۔“

”ہوں۔ تم کیسی ہو؟“ اس کے پاؤں سے لپٹے چیکو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔ آپ؟“ وہ گہرا ری تھی۔ شاید اس دن کی بات یاد کر کے۔

”میں بھی۔ گھر میں اکیلی تھیں تو امل کے پاس چلی جاتیں۔“

”نہیں ٹھیک ہوں۔ عابدہ ہے گھر۔“

”ہاں ہمارے گھر میں اتنی خاموشی پہلے کبھی نہیں ہوتی تھی۔ گھر میں کوئی نہ بھی ہوتا تو پھر بھی رونق ہوتی۔“ پچھلے مجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

”میرے خیال میں ایسا اس لیے ہے کہ اب لوگوں نے محبت کی خواہش کو دل سے حلیم نہیں کیا۔“

”دل اواس ہے اس لیے گھر بھی اواس ہے۔“

”شاید ہاں۔“ محمد ان کے خیال سے متفق تھی۔

”لیکن اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ میں ایک بار محبت بھائی کی فیاسی سے ملی ہوں۔ میں بھائی کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی۔ اتفاقاً وہ بھی وہاں تھی۔ بھائی کے میرا تعارف کروانے کے بلو جو وہ فار ملی بھی مجھ سے نہیں ملی۔ اور محبت بھائی کو لے کر آگے آگے چلنے لگی۔ وہ بے چارہ خود مشکل میں پڑ گیا تھا۔ اگر ہم عجوبری میں ہی صحیح قبول تو کر رہے ہیں نا۔ تو وہ بھی کوشش تو کرے۔ لیکن اس کے انداز سے تو لگا کہ اسے ہماری ضرورت نہیں۔ اس گھر کو صرف مدد کے جانے کا نہیں محبت کے جانے کا بھی دکھ ہے۔“ وہ دھیرے دھیرے دکھ بھرے لہجے میں بتا رہی تھی۔ مزید گویا ہوئی۔

”میرا ذاتی خیال ہے کہ جس رشتے میں والدین کی ہلمستگزی نہ ہوں وہ رشتہ مشکل میں پڑ جاتا ہے اور جس میں والدین کی دعا شامل ہو وہ رشتہ بھی آسان ہو جاتا ہے۔“ جسے وہ امیچور پچھلے نہیں کیا کیا کرتا تھا وہ کیسی پتے کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں

سے پرچہ آنکھوں کے سامنے جبکہ آئندہ صبح ہر روز دوبار خون کرتی۔ وہ بھی ریشمن تھی امیٹل کی حالت کا سن کر یہ بھی سوچ سوچ کر شرمندگی ہوئی کہ کیا ضرورت تھی محمد ان سے لپٹنے کی۔ ایسی بھی کیا ہے ہوشی۔ لیکن جو ہو چکا تھا وہ واپس نہیں لیٹ سکتا تھا۔ آج وہ کتنے دنوں کے بعد کالج گئی تھی۔ گھر آئی تو لاما اور بابا کہیں جانے کے لیے تیار تھے۔ بابا کے ایک دوست کی عیادت کے لیے جانا تھا اور ایک دوسرے دوست کی والدہ کی تعزیت کے لیے سوائسٹل کا ہی انتظار کر رہے تھے۔

”عابدہ سے کھانا گرم کروا کے کھا لیتا۔ کمرے میں ہی نہ پڑی رہتا۔“ امیٹل کا ہاتھ جو م کے مامانے بدایات دس۔ محب اور مدد کے جیسے کا ہمار بھی لاما آج کل امیٹل پر ہی بھگوار کر رہی تھیں۔ فزیشن ہو کر کھانا کھایا اور عابدہ کو چائے بنانے کا کہا۔ وہ پہلے بھی کئی بار گھر میں اکیلی رہتی تھی لیکن اب جو وحشت اور سوناہن محسوس ہو رہا تھا۔ پہلے بھی نہ ہوا تھا۔

”میں۔ واپس آجاؤ پلیز۔“ ہر روز کی طرح مدد کو پکارا اور چائے کا کپ لے کر گھر کے پچھلے حصے میں اپنے کپٹ پاؤں کے پاس آئی۔ عابدہ پھر سے ڈراما دیکھنے لگی۔ نئی کی ٹانگہ۔ کل چوٹ لگ گئی تھی۔ اس کو گود میں لے کر اس کی پیٹنج چیک کی اور گود میں رکھے رکھے ہی پیار کرنے لگی۔ موسم بدل رہا تھا دن ڈھلتے ہی لٹھنڈی ہوا میں چلنے لگتیں۔ اسے چپاؤں میاؤں کرنی کیشن میں گھرے چائے پینا اچھا لگ رہا تھا۔ اچانک کسی کے گلا کھینکھانے کی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے محمد ان کھڑا تھا۔ ڈریس پیٹ اور ٹائی سے لگ رہا تھا کہ موصوف آفس سے سیدھے یہیں آ رہے ہیں۔

”السلام علیکم۔ آپ؟ آئیے نا۔“ خوشگوار حیرت میں گھری کھڑی ہوئی۔

”نیمو نیمو۔ کیسی ہیں تمہاری کیشن۔“ وہ بھی دوسری کرسی کھیٹ کر پاس ہی بیٹھ گیا۔ شرٹ کے بازو کہنی تک فولڈ تھے مٹلی تھا ہوا لگ رہا تھا۔

معترف ہوا۔  
 ”ویسے بہت بری میزبان ہو تم۔ چائے پانی تک  
 نہیں پوچھا تم نے۔“ ماحول کا اثر زائل کرنے کے لیے  
 وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

”اوہ سوری۔ عابدہ باپنی۔“ احتیاط سے بنی کو  
 نیچے اتار کر وہ عابدہ کو توازن دینے لگی۔

”اے چھوٹے۔ میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔ وہ  
 تو مجھے پانی پلا چکی ہے۔“ شرارت سے کہتا دووازے  
 میں جا کھڑا ہوا۔

”چلیں پھر میں آپ کو چائے پلاتی ہوں۔“ کوٹے  
 میں لگے واش مین پر ہاتھ دھوتے ہوئے۔ آگے پیچھے  
 چلتے لاؤنج میں آگئے۔

”نہیں چائے رہنے دو اب۔ میں تمہاری امانت  
 تم تک پہنچانے آیا تھا۔ جو کہ اہل کے حساب سے میں  
 کھلی لیٹ ہو گیا ہوں۔“ ٹیبل پر بڑے شاہر میں سے  
 ایک تھیلی ڈبائیا نکل کر اس کے سامنے کی۔  
 ”تمہاری منگنی کی انگوٹھی۔“

”اس کی کیا ضرورت تھی۔“ گھبراہٹ سے ہینہ  
 ابھر آیا۔

”ضرورت کیوں نہیں تھی۔ انگوٹھی کے غم میں  
 ہی تو اتنا رونا دھونا کیا تم نے اس دن۔“ اس کا گلابی  
 ہونا چہرہ اپنی نگاہوں میں بھرتا شرارت سے بولا۔

”میں تو اس لیے رو رہی تھی کہ وہ میرے پاس  
 امانت تھی۔ مجھے آپ کو وقت گزرنے پر واپس لوٹانی  
 تھی۔“ شکستہ لہجے میں بولی وہ بھی چپ سا ہو گیا۔

”ہوں۔ تو یہ رکھ لو میں۔ جب وقت آئے گا تو  
 کچھ تو ہو تمہارے پاس جو میرے منہ پر مار کر منگنی توڑ  
 سکوں۔“ مزاحیہ انداز میں کہتا اسے اور دھکی کر گیا۔ شاہر  
 سے کچھ اور نکل رہا تھا۔

”اور یہ بھی لو۔ تم تو انگوٹھی کے غم میں بھول ہی  
 چکی تھیں کہ وہ تمہارا موبائل بھی لے گئے ہیں۔“  
 براہین دو موبائل کیس اس کے سامنے تھا۔

”خدا نے کیوں بھیجا یہ سب۔“ محب بھائی نے  
 اگلے ہی دن مجھے موبائل لے دیا تھا۔ ”وہ یہ چیزیں لینے

میں متاثر تھیں۔  
 ”اب مجھے کیا پتا۔ تم سوری یا تھینک یو کے  
 بدلے فون یا مہیج کر گئی تو پتا چلتا میں۔“ اس نے پھر  
 چھیڑا۔

”میں کیوں کرنے لگی بہانوں سے آپ کو فون؟“  
 انہی تک مزاحیہ غود آئی۔

”ہاں ویسے تمہیں کسی بدلے کی کیا ضرورت۔  
 ویسے بھی کر سکتی ہو۔ میں جا رہا ہوں۔ بہت تھک گیا  
 بلازوں میں پھرتے۔“ وہ چائے کا کستی رہ گئی۔ ”پھر  
 کبھی سسی“ کہتا نکل گیا۔

”موبائل بھی لے کر گیا ہے۔ کتنا سمجھ دار ہے میرا  
 بچہ۔ مجھے تو موبائل کا یاد ہی نہیں تھا۔“ خدا کو شکریہ  
 بخشنے کے لیے فون کیا تو خدا کی موبائل کے بارے میں  
 لا علمی سے دل میں حمد ان کے نام کے تاریختے لگے۔

”فورا“ سے پہلے سم نکل کر اس موبائل میں ڈالی۔ دل  
 کے بلخ میں محبت کے شکوے نے سراٹھایا۔



شہلی علاقہ جات سے آنے والی سرد ہواؤں نے  
 اوائل دسمبر سے ہی لاہور کو اپنی لیٹ میں لے لیا تھا۔  
 خشک سردی کی وجہ سے فلو اور کھانے کی خراشوں نے  
 ایٹل کو بھی پکڑ رکھا تھا۔ لیکن ایٹل کو کوئی پرواہ نہیں  
 تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ کیونکہ سالانہ چھٹیوں میں  
 مدح کو پاکستان آتا تھا۔ وہ دھڑا دھڑاس کے لیے شاپنگ  
 کر رہی تھی، اس کے پسندیدہ جگہ رنگوں کے  
 جوڑے۔ اس بار تو تائبندہ بھی اس کے ساتھ شاپنگ  
 جاری تھیں۔ دونوں مل بیٹیوں کا انتظار اور خوشی دیکھ  
 کر جلوہ صاحب بھی خوش ہوتے۔ لیکن اس خوشی کی  
 ایسی کی جیسی ہو گئی جب مدح نہیں آئی۔

”چھٹیوں کے بعد ہبہ ز ہیں۔ اگر پاکستان آگئی تو  
 تیاری نہیں کر پاؤں گی۔“ اپنی طرف سے اس نے  
 معقول توجیہ دی تھی۔ لیکن اسے نہ ایٹل ماننے کو تیار  
 تھی نہ تائبندہ۔

”اور کج سل کی آخری رات تھی۔ یہ سل زندگی

کے سارے رنگ ان کو دکھا کر اپنی آخری گھڑیاں بی رہا تھا۔  
 ”کیا صبح اب کبھی نہیں آئے گی ایسا۔“ آج بپا  
 اسی ایس کے لیے کراچی گئے ہوئے تھے۔ لہذا ایٹل  
 بابا کے ساتھ ان کے کمرے میں سونے کے لیے لیٹی  
 تھی، جب ملاکی حنا مساف تواز نے اسے بھی دکھ میں گھیر  
 لیا۔

”نہیں ملا۔ پیچڑ کے بعد آنے کا کہہ رہی تھی۔“  
 اس نے تسلی دینا چاہی۔

”وہ نہیں آئے گی۔“ ملاکی بات نے اسے اور  
 بھی پریشان کر دیا۔ ملا تو سو گئیں لیکن وہ دو بجے تک  
 گھڑی کی سوئیاں ہی دیکھتی رہی۔ ابھی اس کی آنکھ کھلی  
 ہی تھی کہ دھڑام کی تواز آئی۔ نا سبھی کے عالم میں  
 اوپر لوہر دیکھ کر آنکھیں بند کرنے ہی والی تھی کہ کچھ  
 خیال آنے پر کونٹ بدل کر ملا کو دیکھا۔ وہ اپنے بستر پر  
 نہیں تھیں۔ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ فوراً ”واش روم کی  
 طرف بھاگی۔ وہاں کا منظر دیکھ کر جان گویا اٹھلی میں  
 آگئی ہو۔

”ملا۔ ملا۔“ واش روم کے چند درفش پر مگر ملا  
 کے محل تھپتھپاتے گھبراہٹ سے بیکار رہی تھی۔  
 ”کیا ہوا ملا؟ پلیز انکس۔“ وہ تقریباً ”جی رہی تھی“  
 لیکن ماما بے ہوش ہو چکی تھیں۔ اس نے کھن رکھ کر  
 ان کے دل کی دھڑکن محسوس کرنی چاہی، ہلکی ہلکی  
 دھک دھک سن کر اس کا اپنا دل اس کے کانوں میں  
 دھڑکنے لگا۔

”ملا۔ یا اللہ کیا کروں۔“ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا  
 تھا۔ البتہ بہت وقت سے تقریباً ”گھٹیت کر ملا کو باہر  
 لائی۔ ان کو کوئی ہوش نہیں تھا۔ ان کو کارٹ پر لٹا کر وہ  
 محب کے کمرے میں بھاگی۔ اسے کمرے میں نہ پا کر وہ  
 واپس بھاگی۔

”ملا۔“ پانی کے چھینٹے مارنے پر بھی وہ نہ بلیں۔  
 اب وہ کانپتے ہاتھوں سے محب کا نمبر ملا رہی تھی۔  
 مسلسل تیل جاری تھی لیکن کسی نے فون نہ اٹھایا۔  
 ایک ہاتھ سے ملا کا ہاتھ پکڑے دوسرے ہاتھ سے فون

کھن سے لگائے مسلسل تیل جاتی سن رہی تھی۔  
 ”ہیلو۔“ پانچویں بار کھل کرنے پر فون اٹھایا گیا لیکن  
 دوسری طرف محب نہیں تھا۔

”ہیلو۔“ محب بھائی کھل ہیں۔“ وہ یقیناً ”حرم  
 تھی۔

”محب تو واش روم گیا ہے۔ خیریت؟“  
 ”پلیز محب بھائی کو بتائیں۔ ملا کی طبیعت ٹھیک  
 نہیں ہے۔ مجھ سے فوراً بات کریں۔“ وہ ہانپے  
 انداز میں مدعا بیان کیا۔

”ہیلو۔ ایٹل تمہاری تواز کلیر نہیں آ رہی۔  
 پارٹی چل رہی ہے نا۔“ لور ہل بیسی نیو لیر۔“ اور  
 فون بند ہو گیا۔ ایٹل کا گلہ رندہ کیا۔ دو چار منٹ بعد  
 دوبارہ نمبر ملایا تو موبائل ہی بند ملا۔ اب کہ اس نے بنا  
 کچھ سوچے احمد ان کا نمبر ملایا۔

”ہیلو۔“ چوٹھی تیل پر ہی سوئی سوئی تواز کے  
 ساتھ بولا کیا ہیلو ایٹل کو بھی امداد کی طرح لگا۔ پچیس  
 منٹ کا راستہ پندرہ منٹ میں طے کرنا وہ ایٹل کے  
 سامنے تھا۔ پنج بستہ رات میں ہفٹ سیلوزنی شرٹ اور  
 سلوٹ زورہ راز روم میں موسم سے بے نیاز وہ ایٹل کی بیکار  
 پر حاضر تھا۔ تابندہ کو بازوؤں میں اٹھا کر گاڑی کی پچھلی  
 سیٹ پر لٹایا۔ وہ بھی گھبرائی گھبرائی ساتھ کھڑی تھی۔  
 ”کچھ لے لو۔ سردی بہت ہے۔“ ٹاپ اور پلاٹو  
 پہنے کھڑی ایٹل کو دیکھ کر کما تو وہ فوراً ”حکم کی تعمیل میں  
 اندر سے اپنا پوچھ لے آئی اور دوسرے ہاتھ میں بابا کی  
 شل بھی۔

”اس کی ضرورت نہیں تھی۔“ اس کے ہاتھ سے  
 شل پکڑتے ہوئے بولا۔

”جلدی میں کچھ لینے کا خیال ہی نہیں آیا۔“  
 ”یا اللہ میری ملا کو ٹھیک کر دے۔“ فرنٹ سیٹ پر  
 بیٹھی ایٹل مڑ کر ملا کو دیکھتی ہر سانس کے ساتھ اسی دعا  
 کا ورد کر رہی تھی۔

”سب ٹھیک ہے۔ سنبھلو خود کو۔“ وہ گاڑی چلاتا  
 اسے بھی تسلی دے رہا تھا۔ جس کی آنکھیں خطرناک  
 حد تک لال ہو چکی تھیں۔ اسٹریس کی وجہ سے دل غ



آکسیجن کی چلائی رک مٹی تھی اور شوگر لیل بھی لو تھا۔  
 بہر حال ڈاکٹر نے ٹرینٹ شروع کر دیا تھلا لپا پر  
 سکون سوری تھیں۔ وہ ان کے کمرے سے نکل کر  
 کوریڈور میں گئے پچ پر بیٹھ گئی۔ اندھیری سیاہ رات کو  
 صبح کی سپیدی نے نکل لیا تھا۔ ٹھنڈی سرد صبح سانس  
 کے ساتھ اندر اتر رہی تھی۔ کوریڈور کے دوسرے  
 سرے سے حمدان آنا دکھائی دیا۔ شل کو مفلکی طرح  
 گلے میں لٹکائے دونوں ہاتھوں میں وہ چائے اور وہ  
 سینڈوچ تھے اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کو اپنی  
 طرف دیکھتا کر لٹکا سا مسکرایا وہ بچانے کن سوچوں میں  
 گم تھی۔ مسکرا بھی نہ سکی۔

”خالا اب بالکل ٹھیک ہیں۔ بات ہوئی ہے میری  
 ڈاکٹر سے۔ تم بالکل ٹرینٹ نہ لو۔ اور یہ لو پچھ کھاؤ۔“  
 اب وہ سامنے کسی غیر مٹی نقطے پر نظریں جمائے  
 بیٹھی تھی۔  
 ”ابھی خالا کو ہوش آجائے گا تو ہم گھر لے جائیں  
 گے۔ وہ انہوں کے زیر اثر سوری ہیں وہ۔“ وہ سن  
 بھی رہی تھی یا نہیں نہ سمجھ نہیں پایا۔  
 ”ایٹل۔“ چائے کے کپ پچ پر رکھ کر اسے  
 محبت سے پکارا۔  
 ”محبت بھائی سے بات ہوئی۔؟“ دھیرے سے  
 بولی۔  
 ”ابھی تک فون بند ہے اس کا۔“ اسی انداز میں  
 جواب دیا۔

”آپ کو پتا ہے مدح بہت اچھی ہے۔ محبت کرنے  
 والی ہے بہت۔ اسے سب کو خوش رکھنا آتا ہے۔  
 کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا اس نے۔ بہت سمجھ دار،  
 لائق قابل لڑکی ہے وہ۔“ وہ اسی غیر مٹی نقطے کو دیکھتے  
 بول رہی تھی، ٹھہر ٹھہر کر۔  
 ”میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اس کی بہن  
 ہوں۔ وہ واقعی ایسی ہی ہے۔“  
 ”وہ میرے جیسی جلد باز نہیں۔ معاملہ فہم ہے۔“  
 وہ بہت توجہ سے اسے دیکھتا ہے سن رہا تھا۔  
 ”وہ بہت خوب صورت بھی ہے۔ بس ساہرا رہتی

ہے۔ بہت گوری رحمت، لیے بلے۔ حسین آنکھیں  
 ۔ ذرا سی تیار ہو تو بہت حسین لگتی ہے اور تو لو وہ  
 شاعری بھی کرتی ہے۔ اگر اپنی ساری شاعری چھپوائے  
 تو وہ تین کتابیں بن جائیں۔“ اب وہ حیرت سے  
 بھنوس نکھڑ کر اسے دیکھ رہا تھا کہ آخر اس سب سے  
 اس کا مطلب کیا ہے۔ وہ ایک دم اس کی طرف مڑی۔  
 اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں آنسوؤں سے لبریز  
 آنکھوں میں حمدان اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔  
 ”آپ مدح سے شادی کر لیں۔“ آنکھوں میں  
 انکے سارے آنسو گلاب برہہ گئے اور آواز سکیوں  
 سے گھل کر ٹوٹ ٹوٹ کر نکلی۔

”آپ پلیز مدح سے شادی کر لیں۔ اس کا دکھ  
 میرے دل باپ کو جینے نہیں دے گا۔ سب مل جائیں  
 گے۔ آپ اس کے لیے بہترین انتخاب ہووے گے اور وہ  
 آپ کے لیے۔“ وہ بھونچکا سا رہ گیا اس کے آنسو اور  
 سنگیلیں اس کے دل کو جکڑ رہی تھیں۔  
 ”لو کے بس کرو روٹا۔ یہ لو سینڈوچ کھاؤ۔“ خود کو  
 سنبھال کر بولا۔

”پلیز حمدان بھائی۔“ محبت کے شکونے نے بھی  
 حیرت سے ایٹل کو دیکھا۔  
 ”اچھا اس بارے میں بھاریات کریں گے۔ جسٹ  
 ریلیکس۔“ اپنا بازو تسلی دینے کے مخصوص انداز میں  
 اس کے گرد پھیلتا اس کا دکھ کم کرنے کی کوشش کرنے  
 لگا۔  
 ”ایموشنل لڑکی۔“ سوچتے ہوئے اس کا بازو  
 تھپتھپایا۔



”تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔ مرنہیں گیا تھا میں  
 ۔“ وہ کچن میں ملا کے لیے سوپ بنا رہی تھی جب  
 محبت بھائی ملا سے مل کر آتے ہی درشت لیے میں اس  
 سے پوچھ رہے تھے اس کا دل بھر آیا محبت بھائی نے  
 آج تک اس سے ایسے بات نہ کی تھی۔  
 ”میں بھی یہی سمجھتی تھی۔ اسی لیے آپ کو فون کیا

”آپ کو پتا ہے مدح بہت اچھی ہے۔ محبت کرنے  
 والی ہے بہت۔ اسے سب کو خوش رکھنا آتا ہے۔  
 کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا اس نے۔ بہت سمجھ دار،  
 لائق قابل لڑکی ہے وہ۔“ وہ اسی غیر مٹی نقطے کو دیکھتے  
 بول رہی تھی، ٹھہر ٹھہر کر۔  
 ”میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اس کی بہن  
 ہوں۔ وہ واقعی ایسی ہی ہے۔“  
 ”وہ میرے جیسی جلد باز نہیں۔ معاملہ فہم ہے۔“  
 وہ بہت توجہ سے اسے دیکھتا ہے سن رہا تھا۔  
 ”وہ بہت خوب صورت بھی ہے۔ بس ساہرا رہتی

تھا۔ حرم نے بتایا میں آپ کو پارٹی تھی نا بھول  
کئی ہوگی بے چاری۔ ”سج کی آنکھوں میں آنکھیں  
ڈال کے مضبوط لمبے میں بولی ایشل نے بھی آج تک  
محبت سے ایسے بات نہیں کی تھی وہ ذرا سا ٹھنکا اور پھر  
تن فتن کرنا چکن سے نکل گیا۔ اپنے گالوں پر لڑھک  
آنے والے آنسوؤں کو اس نے بے دردی سے رکڑ کر  
ساف کر دیا۔

لما دن بدن بہتر ہو رہی تھیں۔ صبح اپنے چھینوں  
میں پاکستان نہ آنے کے فیصلے پر خود کو جتنا گوس سکتی  
تھی گوس رہی تھی۔ اب بس پیچہ ختم ہوتے ہی وہ اڈر کر  
پاکستان پہنچ جاتا جانتی تھی۔

صبح اس کو بیشہ کہتی تھی کہ ڈرائیونگ سیکھ لے۔  
لیکن اس نے صبح کی بات کو بھی سیریس نہیں لیا تھا۔  
تھر اس رات اسے شدت سے اپنی اس نا اہلی کا اندازہ  
ہو گیا تھا اب اس کا ارادہ تھا کہ محسوس ختم ہونے  
کے بعد باقاعدہ کلاسز لے گی۔ البتہ پلانے ایک  
بھروسے مند ڈرائیور رکھ دیا تھا جو ایشل اور تابندہ کی  
خدمت پر مامور تھا۔

اس دن کے بعد سے محبت جب بھی گھر میں دکھتا  
اندازہ لگانا مشکل ہو تا کہ یہ مصروف زیادہ ہے یا پریشان  
زیادہ۔ بہر حال نہ کسی نے اس سے کچھ پوچھا نہ اس  
نے کسی کو کچھ بتایا۔



اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر کی پشت پر پاندھے، انہیں  
کی کرسی پر حمد ان آنکھیں بند کیے کٹنی سکون محسوس کر  
رہا تھا۔ کل ہی ایک تھا کہ دینے والا پرو جیکٹ ختم ہوا  
تھا۔ اس طرح ریلیکس ہو کر آنکھیں بند کرنے پر جو  
پہلا خیال ذہن کے پردے پر ابھرا وہ ایشل کے علاوہ کسی  
ہو سکتا تھا۔

”باگل لڑکی۔ ایموشنز میں سب دان کرنے چلی  
ہے۔“ آنسوؤں میں ڈوب کر ابھرنے والے بات اس  
کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ گو کہ اس  
وقت اس کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے لیکن

اب اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آنسو کہیں نہ کہیں  
میرے چمن جانے کے خوف کے بھی تھے۔ ”اس نے  
کچھ خیال آنے پر فوراً“ آنکھیں کھول کر وقت دکھا۔  
اور پھر انٹر کلام کھن سے لگا لیا۔

”آج کوئی مینٹک تو شیڈل نہیں ہے؟“ نفی میں  
جواب ملنے پر وہ فوراً ”کھڑا ہو گیا۔ اے آج ایشل سے  
بات کرنا ہی تھی۔ مبلو کہ انگوٹھی اتار کر وہ منہ پر  
مارے اور مستکفی ہی توڑ دے۔ جیسا کہ اس کا پلان تھا۔  
اور صبح سے شادی کروا دے۔

”خالد میں آئس کے کام سے ایشل کے کالج کی  
طرف آیا ہوں۔ آپ ڈرائیور کو منع کر دیں۔ میں  
اسے پک کر لوں گا۔“ اور خالد کو اور کیا چاہیے تھا  
صد نے داری جاتی فوراً ”سے پشتر لو کے کر دیا۔

اور اب وہ کالج کے گٹ کے باہر بھارت بھارت کے  
چہرے نمودار ہو تا دیکھ دیکھ کر آتا جاتا تھا۔ سربراہ دینے  
کا ارادہ کینسل کر کے اس نے ایشل کا نمبر ڈائل کیا۔  
چند منٹوں بعد وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ باہر تھی۔

”آپ کیوں آئے لینے۔ ڈرائیور آئے نہ والا تھا۔“  
”یہاں سے گزر رہا تھا تو سچا نہیں بھی پک کر لیتا  
ہوں۔ ویسے میں نے گھر انعام کر دیا ہے۔“ گاڑی  
ایک کٹنی شاپ کی پارکنگ میں لگا دی۔

”چلو تمہیں کٹنی پلوتا ہوں۔“  
”رہنے دیں۔ مجھے آج تک اس آئس کریم کا  
ذائقہ یاد ہے۔“ شکستہ انداز میں منع کرنا چاہا گویا۔

”آج تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ آجاؤ۔“ خود  
ایشل سے پہلے باہر نکل آیا۔ ایشل نے بھی زیادہ منع  
نہیں کیا۔ یہاں کی کٹنی بہت اچھی اور مشہور تھی۔ سو  
اس کو انکار کھانا لگا۔

”ابھجھو لی میں تم سے کچھ بات کرنے کے لیے  
یہاں لایا ہوں۔“ کٹنی آرڈر کر کے حمد ان نے بات  
شروع کی۔

”میں نے تمہاری آفر پر بہت غور کیا۔“ ایشل  
نے سوالیہ نظروں سے یوں دکھا جیسے وہ اپنی جذباتی  
بات بھول چکی ہو۔

ہے۔ بہت گوری رحمت، لیے بلے۔ حسین آنکھیں  
 ذرا سی تیار ہو تو بہت حسین لگتی ہے اور تو اور وہ  
 شاعری بھی کرتی ہے۔ اگر اپنی ساری شاعری چھپوائے  
 تو دو تین کتابیں بن جائیں۔" اب وہ حیرت سے  
 بھنوس سیکڑ کر اسے دیکھ رہا تھا کہ آخر اس سب سے  
 اس کا مطلب کیا ہے۔ وہ ایک دم اس کی طرف مڑی۔  
 اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں آنسوؤں سے لبریز  
 آنکھوں میں حیران اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔  
 "آپ مدح سے شادی کر لیں۔" آنکھوں میں  
 انکے سارے آنسو گلاب برہہ گئے اور آواز سسکیوں  
 سے گھل کر ٹوٹ ٹوٹ کر نکلی۔

"آپ پلیز مدح سے شادی کر لیں۔ اس کا دکھ  
 میرے دل باپ کو جیسے نہیں دے گا۔ سب ملن جائیں  
 گے۔ آپ اس کے لیے بہترین انتخاب ہوں گے اور وہ  
 آپ کے لیے۔" وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ اس کے آنسو اور  
 سسکیاں اس کے دل کو جکڑ رہی تھیں۔  
 "اوکے بس کرو نہ۔ یہ لو سینڈویچ کھاؤ۔" خود کو  
 سنبھال کر بولا۔

"پلیز حیران بھائی۔" محبت کے شکونے نے بھی  
 حیرت سے ایشل کو دیکھا۔

"اچھا اس بارے میں پھر بات کریں گے۔ جسٹ  
 ریلیکس۔" اپنا بازو تسلی دینے کے مخصوص انداز میں  
 اس کے گرد پھیلتا اس کا دکھ کم کرنے کی کوشش کرنے  
 لگا۔

"ایموشنل لڑکی۔" سوچتے ہوئے اس کا بازو  
 تھپتھپایا۔



"تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔ مریضیں کیا تھا میں  
 ۔" وہ کچن میں لما کے لیے سوپ بنا رہی تھی جب  
 محب بھائی لما سے مل کر آتے ہی درشت لہجے میں اس  
 سے پوچھ رہے تھے۔ اس کا دل بھر آیا محب بھائی نے  
 آج تک اس سے ایسے بات نہ کی تھی۔  
 "میں بھی یہی سمجھتی تھی۔ اسی لیے آپ کو فون کیا

آکسیجن کی سپلائی رک گئی تھی اور شوگر لیول بھی لو تھا۔  
 بہر حال ڈاکٹرز نے ٹرینٹمنٹ شروع کر دیا تھا۔ مالبہ پر  
 سکون سو رہی تھیں۔ وہ ان کے کمرے سے نکل کر  
 کوریڈور میں لگے بیچ پر بیٹھ گئی۔ اندھیری ساہ رات کو  
 صبح کی سپیدی نے نکل لیا تھا۔ ٹھنڈی سرج سانس  
 کے ساتھ اندر اتر رہی تھی۔ کوریڈور کے دوسرے  
 سرے سے حیران آنا دکھائی دیا۔ شل کو منظر کی طرح  
 گلے میں لٹکائے دونوں ہاتھوں میں دو چائے اور دو  
 سینڈویچ تھے اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کو اپنی  
 طرف دیکھا کر ہلکا سا مسکرایا وہ بجائے کن سوچوں میں  
 گم تھی۔ مسکرا بھی نہ سکی۔

"خدا اب بالکل ٹھیک ہیں۔ بات ہوئی ہے میری  
 ڈاکٹر سے۔ تم بالکل ٹھیک بن لو۔ اور یہ لو کچھ کھاؤ۔"  
 اب وہ سامنے کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے  
 بیٹھی تھی۔

"ابھی خدا کو ہوش آجائے گا تو ہم گھر لے جائیں  
 گے۔" وہ ان کے زیر اثر سو رہی ہیں وہ۔ "وہ سن  
 بھی رہی تھی یا نہیں وہ سمجھ نہیں پایا۔  
 "ایشل۔" چائے کے کپ بیچ پر رکھ کر اسے  
 محبت سے نکارا۔

"محب بھائی سے بات ہوئی۔؟" دھیرے سے  
 بولی۔

"ابھی تک فون بند ہے اس کا۔" اسی انداز میں  
 جواب دیا۔

"آپ کو بتا ہے مدح بہت اچھی ہے۔ محبت کرنے  
 والی ہے بہت۔ اسے سب کو خوش رکھنا آتا ہے۔  
 کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا اس نے۔ بہت سمجھ دار،  
 لائق قابل لڑکی ہے وہ۔" وہ اسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے  
 بول رہی تھی، ٹھہر ٹھہر کر۔

"میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اس کی بہن  
 ہوں۔ وہ واقعی ایسی ہی ہے۔"

"وہ میرے جیسی جلد باز نہیں۔ معاملہ فہم ہے۔"  
 وہ بہت توجہ سے اسے دیکھتا اسے سن رہا تھا۔  
 "وہ بہت خوب صورت بھی ہے۔ بس سلاہ رہتی



تھا۔ حرم نے بتایا نہیں آپ کو۔ پارٹی تھی نا، بھول گئی ہوگی بے چاری۔ ”محب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے مضبوط لہجے میں بولی۔ ایٹل نے بھی آج تک محب سے ایسے بات نہیں کی تھی۔ ذرا سا ٹھنکا اور پھر تن کن کرنا چئیں سے نکل گیا۔ اپنے گالوں پر لڑھک آنے والے آنسوؤں کو اس نے بے وردی سے رگڑ کر صاف کر دیا۔

لما دن بدن بہتر ہو رہی تھیں۔ صبح اپنے چھٹیوں میں پاکستان نہ آنے کے فیصلے پر خود کو جتنا گوس سکتی تھی گوس رہی تھی۔ اب بس پیچہ ختم ہوتے ہی وہ اڑ کر پاکستان پہنچ جاتا جانتی تھی۔

صبح اس کو ہمیشہ کہتی تھی کہ ڈرائیونگ سیکھ لے۔ لیکن اس نے صبح کی بات کو بھی سیریس نہیں لیا تھا۔ مگر اس رات اسے شدت سے اپنی اس نااہلی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ سمجھو ختم ہونے کے بعد باقاعدہ کلاسز لے گی۔ البتہ بلانے ایک بھروسے مند ڈرائیور رکھ دیا تھا جو ایٹل اور تانہہ کی خدمت پر مامور تھا۔

اس دن کے بعد سے محبت جب بھی گھر میں دکھتا، اندازہ لگانا مشکل ہوتا کہ یہ معصوف زیادہ ہے یا پریشان زیادہ۔ ہر حال نہ کسی نے اس سے کچھ پوچھا نہ اس نے کسی کو کچھ بتایا۔



اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر کی پشت پر باندھے، اس کی کرسی پر حمدان آنکھیں بند کیے کٹنی مسکون محسوس کر رہا تھا۔ کل ہی ایک تھا کہ دینے والا پروجیکٹ ختم ہوا تھا۔ اس طرح ریلیکس ہو کر آنکھیں بند کرنے پر جو پہلا خیال ذہن کے پردے پر ابھرا وہ ایٹل کے علاوہ کسی ہو سکتا تھا۔

”پاگل لڑکی۔ ایسوشن میں سب دہان کرنے چلی ہے۔“ آنسوؤں میں ڈوب کر ابھرنے والے بات اس کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ گو کہ اس وقت اس کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے لیکن

اب اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آنسو کس نہ کس میرے چمن چلنے کے خوف کے بھی تھے۔ ”اس نے کچھ خیال آنے پر فوراً آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اور پھر انٹر کالم کلن سے لگا لیا۔

”آج کوئی میننگ تو شیفل نہیں ہے؟“ نفی میں جواب ملنے پر وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ اسے آج ایٹل سے بات کرنا ہی تھی۔ مبلوا کہ انگوٹھی اتار کر وہ منہ پر مارے اور منگنی ہی توڑ دے۔ جیسا کہ اس کا پلان تھا۔ اور صبح سے شادی کرنا دے۔

”غلط میں آس کے کام سے ایٹل کے کالج کی طرف آیا ہوں۔ آپ ڈرائیور کو منع کر دیں۔ میں اسے یک کر لوں گا۔“ اور غلط کو لور کیا چاہیے تھا صدقہ داری جاتی فوراً سے پشور کے کر دیا۔

لور اب وہ کالج کے گیٹ کے کہاں پھانت بھانت کے چہرے نمودار ہو تا دیکھ دیکھ کر آکتا دکاتا تھا۔ سر پر انڈین کا ارادہ کینسل کر کے اس نے ایٹل کا نمبر ڈائل کیا۔ چند منٹوں بعد وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ باہر تھی۔

”آپ کیوں آئے لینے۔ ڈرائیور آئے والا تھا۔“ ”یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا تمہیں بھی یک کر لیتا ہوں۔ ویسے میں نے گھر انعام کر دیا ہے۔“ گاڑی ایک کلنی شاپ کی پارکنگ میں لگا دی۔

”چلو تمہیں کلنی بلواتا ہوں۔“ ”رہنے دیں۔ مجھے آج تک اس آنس کریم کا ذائقہ یاد ہے۔“ گفت انداز میں منع کرنا چاہا گو یا۔

”آج تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ آجاؤ۔“ خود ایٹل سے پہلے باہر نکل آیا۔ ایٹل نے بھی زیادہ منع نہیں کیا۔ یہاں کی کلنی بہت اچھی اور مشہور تھی۔ سو اس کو انکار کھانا لگا۔

”ایک چو لی میں تم سے کچھ بات کرنے کے لیے یہاں لایا ہوں۔“ کلنی آرڈر کر کے حمدان نے بات شروع کی۔

”میں نے تمہاری آفر پر بہت غور کیا۔“ ایٹل نے سوالیہ نظروں سے یوں دیکھا جیسے وہ اپنی جذباتی بات بھول چکی ہو۔

سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔  
 ”ارے کیا ہوا۔ کوئی بات تو کرو۔“ کلنی انتظار کے  
 بعد بلا آخر وہ خود ہی بولا۔ ایٹل تو اس کی طرف دیکھتا بھی  
 گنہہ سمجھ رہی تھی۔  
 ”پوچھو گی نہیں۔ کون پسند ہے مجھے۔“ اب وہ  
 مسکراہٹ دہائے اس کے نمونے پن کا مزہ لیتے ہوئے  
 بولا۔

”نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں اسے۔“ وہ  
 بھرے لہجے میں منہ پھیرے پھیرے ہی بولی۔  
 ”سُلی۔ کون بھلا؟“ مسکراہٹ اور کمری ہو گئی۔  
 ”وہی جس کا ہاتھ پکڑ کر پھاٹوں کی چوٹیاں سر کی  
 جاتی ہیں۔“ اب کہ چوموڑ کراس کو دیکھتے ہوئے طنزیہ  
 انداز میں اس تصویر کا حوالہ دیا۔

”پھاٹوں کی چوٹیاں؟ کون؟“ وہ بالکل بھی نہیں  
 سمجھ پایا۔ تذبذب کے عالم میں سوچنے لگا۔  
 ”آ آ اچھا۔ پھاٹوں کی چوٹیاں۔“ کچھ یاد آنے پر  
 قہقہہ لگا کر ہنس۔ قہقہے کے جواب میں ایٹل نے مزید  
 منہ موڑ لیا۔

”بھلاؤ لوگ جھلس نہیں ہوا کرتے۔“ روٹھی  
 روٹھی لڑکی! گاڑی کا موڑ موڑتے محبت بھرے لہجے  
 میں کہہ۔  
 ”میں کسی سے جھلس نہیں ہوتی۔“

”اچھا؟ چرے پر صاف صاف لکھا ہے۔ دیے  
 مطمئن ہو۔ پھاٹوں کی چوٹیوں والی لڑکی سے شادی  
 نہیں کر رہا میں۔“ ایٹل کا چوموڑ کھڑکی کی طرف تھا۔  
 ”میں نے بہت سوچا۔ پھر تمہیں تو بتا ہے میں کتنا  
 رحم دل ہوں۔ ایک لڑکی جو میرے نام کی انگوٹھی  
 چھین جان پہ اتنا روٹی ہو وہ میرے چھین جانے پہ کیا  
 غضب ڈھائے گی۔ سو پھاٹوں والی سے نہیں بلکہ  
 انگوٹھیوں والی سے ہی شادی کا فیصلہ کر لیا ہے میں  
 نے۔“ اس کی شرارت بھری آواز پہ ایٹل نے بے  
 یقینی سے سر کراس کا چوموڑ کیا۔

”میرا مذاق اڑا رہے ہیں آپ۔“ اس کی  
 مسکراہٹ سے یہی سمجھی۔

”مرحہ والی آفر۔“ اب اس کی ہارٹ بیٹ مس  
 ہوئی۔ ہاتھوں کی پوموں میں بے نام سی لرزش اتر  
 آئی۔

”مرحہ واقعی دیکھی ہی ہے جیسی تم نے کہا۔ گند  
 لکھتے ہیں، قابل ہے، میچور اور کانفیڈنٹ۔ ہر کوئی  
 ایسے ہی لائف پارٹنر کی چاہ کرتا ہے۔“ اب تو ایٹل  
 کے جیسے کانٹو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے کہہ تو دیا تھا  
 لیکن وہ حمد ان کے منہ سے، آنے سے سانسے بیٹھ کر صبح  
 کے مقابلے میں خود کو دھچکٹ کیے جانے کی کہانی  
 نہیں سنتا چاہتی تھی۔ کلنی آچکی تھی۔

”لیکن میں ذرا مختلف سوچ رکھنے والا آدمی  
 ہوں۔“ رگوں میں خون کی روانی ”لیکن“ سن کر  
 تھوڑی ہلچل ہوئی۔

”مجھے گوری رنگت کی بجائے ذرا گندی رنگت  
 اہل کرتی ہے۔ اور اپنی چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اس  
 سے مجھے خاص فرق نہیں پڑتا۔ مجھے کدھے جتنے بل  
 بھی پسند ہیں۔ جیسا کہ تمہارے۔“ اب وہ بہت  
 سنجیدہ انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر  
 ان میں آتے جاتے رنگ دیکھتا کہہ رہا تھا۔

”اور شاعری کی تو مجھے بالکل بھی سمجھ نہیں۔ اس  
 لیے کتابیں وہ ہوں یا چار۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔  
 لیکن۔“ پھر لیکن نے سانس پکڑی۔

”ان سب باتوں کے باوجود بھی۔ میں تمہاری  
 خاطر صرف تمہاری خاطر یہ آفر قبول کر لیتا۔ اگر مجھے  
 کوئی اور لڑکی پسند ہوتی تو۔“ اس کا آخری جملہ سن کر  
 ایٹل کے ٹھنڈے برف بے جان وجود میں جیسے کسی  
 نے انکارے بھر دیے ہوں۔ اور شعلے کانوں سے نکلنے  
 لگے ہوں۔ وہ جھٹکے سے اٹھی۔

”میں نیچے جا رہی ہوں۔ بے منت کر کے  
 آجائیں۔“ اس نے مخصوص انداز میں کہہ کر کلنی بھی بغیر  
 ہی تیز قدم اٹھائی لفٹ کی طرف بڑھی۔

”کلنی تو چینی جاتو۔“ وہ کتابی رہ گیا۔ سو وہ بھی کلنی  
 وہیں چھوڑ کر بے منت کر کے پارکنگ میں آگیا وہ منہ  
 پھلائے گاڑی کے پاس کھڑی تھی۔ دونوں خاموشی

بنائو شاہاں سب کے لیے۔“ وہ شرارت سے دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ وہ جلدی سے بچن میں آئی۔  
”جھوٹا۔“ مسکراہٹ دباتے کٹنی بنانے لگی۔  
محبت کا شکوہ اب نوخیز کلی بن کر دل کی ڈال پر لہک لہک کر محبت کی دھن بجانے لگا تھا۔



اور پھر صبح آئی۔ ایٹل جاوید کی خوشی جیسے مکمل ہو گئی تھی۔ صبح پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو چکی تھی۔ زیادہ گلابی، زیادہ دلکش۔ نائندہ تو بار بار گلے لگاتیں، ہاتھ چومتیں۔ ان کا جی ہی نہیں بھر رہا تھا۔ تہمینہ اور اسفر صاحبہ بیچ ازلن بیسیں موجود تھیں۔ حمدان کے آفس میں کوئی لہو و دل پارلی تھی۔ لہذا وہ موجود نہیں تھا۔

”محبت کب آئے گی؟ آئیں ترس گئی ہیں میری تو۔“ میرا پوچھو نے تیسری بار محبت کا پوچھا۔  
”ارے سہما۔ ان ڈاکٹر صاحب کے اوقات کار تو خود ہمیں نہیں پتا، ہمیں کیا پتا۔“ جاوید صاحب نے طنز پر محبت کی مصروفیات کو نشانہ بنایا۔ اسی اثناء میں جاوید صاحب کے موبائل پر آنے والے فون نے انہیں حیرت میں مبتلا کر دیا۔ محبت کی سرسراں کانبر تھا۔  
”ہیلو۔“ حیرت بجا تھی۔ پہلی بار کل کی محبت انہوں نے۔

”اپنے سائیکو بیٹے کو لے جائیں یہاں سے۔ ہم عزت دار لوگ ہیں، ورنہ کب کی پولیس کو بلا لیتی۔“ محبت کی سانس شعلے اگل رہی تھیں۔

”مختومہ! آپ کیا بات کر رہی ہیں؟“ بقی سب بھی جاوید صاحب کی پریشانی محبت کو متوجہ ہوئے۔

”غلطی ہو گئی، ہم سے جو آپ کے بیٹے سے رشتہ جوڑ لیا۔ جینا اجین کر دیا ہے ہماری بیٹی کا۔ یہ نہ کہ وہ نہ کہ وہ۔ غدا اب کر دی ہے زندگی۔ ان سیکورٹی کی بھی حد ہے۔ اب جب ہم رشتہ توڑ رہے ہیں تو دھرتیا دے بیٹھا ہے۔ عزت سے لے جائیں۔ خون خرابہ ہم بھی نہیں کرنا چاہتے۔“ جاوید صاحب نے محل سے

”اعتماد محبت کر رہا ہوں میں۔ جس کی پیش گوئی کافی عرصہ پہلے آپ اپنی سیلیوں کے سامنے کر چکی ہیں۔“ ایٹل کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ صد شکر کہ گھر کا کٹ آگیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دروازہ توڑ کر باہر نکل آئے۔ حمدان کی شرارتی مسکراہٹ کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی۔

”اور ہاں انگوٹھی میرے منہ پر مارنے والے فیصلے پر نظر ثانی کر کے میرے اعتماد محبت کی لاج رکھ لیتا۔“ لاک کھول دیے گئے۔

بھاگ کر حیرت میں داخل ہوتے وقت اس نے پیچھے مڑنے کی بھی نہیں دیکھا کہ حمدان ابھی رہا ہے یا نہیں۔ بچن کے دروازے میں کھڑی ہلکا سا سلام کر کے وہ سیدھی اپنے کمرے میں بھاگی۔ دھڑام سے بیڈ پر گر کر اس عجیب سی کیفیت کو سمجھنے لگی جس نے اس کے روم روم کو مہکا دیا تھا۔

”اعتماد محبت۔“ وہ اپنے دل پر حیران ہو رہی تھی، وہ دل جس نے رو دھو کر انگوٹھی کو قبول کیا تھا آج ایسے بہک رہا تھا کہ صدیوں سے یہی سب سننے کا منتظر ہو۔ کتنے ہی منٹ وہ جیت لٹی رہی، پھر یکدم اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہی عین نقش جو بچن سے تھے مگر آج وہ خود اپنی پہچان میں نہیں آ رہی تھی۔  
”محبت کیا اتنی طاقت ہے اس لفظ میں۔ دل پھیر دینے کی حد تک طاقتور۔“ مسیح بہ نے اسے متوجہ کیا۔

”تم نیچے آ سکتی ہو۔ میں جا رہا ہوں۔“ حمدان کا مسیح تھا وہ مسکرائی۔ پھر زحما پھر مسکرائی۔ قلی کر لینے کے بعد کہ وہ واقعی چلا گیا ہو گا۔ وہ نیچے آئی۔ لیکن بیڑھیوں پر ہی ٹھک کر رک گئی۔ وہ ابھی بھی صوفے پر بیٹھ لیا کہ کپ شہد گاہا تھا۔  
”ایٹل نیچے۔“ حمدان سے کٹنی کا وعدہ کر کے آئی ہو۔ اور اب اوپر جا کے بھول گئیں۔“ لمانے دیکھ لیا ورنہ وہیں سے لپٹ جاتی۔

”کٹنی۔“ وہ حیران ہوئی۔ کون سا وعدہ۔  
”کہہ رہا ہے راستے میں بھی نہیں پینے دی۔“ چلو



محبت جلدی سے گاڑی کاروانہ کھولنے لگا۔  
”بیٹھے ہو چپ کر کے۔ میں نے تمہیں ڈاکٹر بنایا  
ہے بد معاش نہیں۔“ پہلی بار جلوید صاحب اتنی لوہی  
تواڑ میں بولے تھے محبت خاموشی سے بیٹھ گیا۔

\*\*\*

دولن سے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ سوائے  
پھوپھو سیمہ کے کوئی اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔  
تیسری رات کو ملایا کے کمرے میں چلا گیا۔ پاپا کوئی  
کتاب پڑھ رہے تھے اور ملا نماز پڑھ کر فارغ ہوئی  
تھیں۔ وہ وہیں جائے نماز کے ساتھ بیٹھ گیا۔

”مجھے معاف کر دیں ملا۔ میں نے آپ سب کی  
ناراضی مول لے کر یہ رشتہ جوڑا تھا۔ میں تمہیں چاہتا  
تھا کہ اتنی جلدی ٹوٹ جائے۔ میں بھانا چاہتا تھا ملا۔  
حرم ایک مشکل سامھی ہوئی یہ مجھے مشکلی کے فوراً  
بعد ہی پتا چل گیا تھا۔ لیکن میری اتنا مجھے ہر قیمت پہ  
رشتہ بھانے۔ آکساری تھی۔ میں خود کو شرمندہ  
نہیں دیکھ سکتا تھا۔“ ملا کے دونوں ہاتھ اپنی ہتھیلیوں  
میں لیے اور پتا تھا نکائے دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔  
آنسوؤں سے ملا کی ہتھیلیاں بھی تر ہو گئیں اور چہو  
بھی۔

”میں نے بہت ہی لڑی منتخب کر لی تھی ملا۔ میں  
بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔“ ملا کب  
تک اپنے بچے کو ایسا تو دیکھتی اس کے ماتھے سے  
اپنا ہاتھ نکال دیا۔ جیسے معاف کر دیا ہو۔

”تمہارا انتخاب برا نہیں تھا۔ غلط تھا۔ وہ بری  
لڑکی نہیں تھی۔ لیکن وہ جس معاشرے کی بدلواری تھی  
وہاں وہ سب اس کے لیے صحیح تھانے تم غلط سمجھتے تھے  
اور جو تمہیں صحیح لگتا تھا ان کی نظر میں غلط تھا۔ ہر  
سو سائیکس کا ایک ٹھکانہ بنا ہوتا ہے جس کے ذریعے  
ہم کسی کو اچھے برے کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں ہم اپنی  
جس حد کو غیرت کا نام دیتے ہیں ان کے ہاں وہ ٹھک  
نظری کھلاتی ہے۔ تمہارا تصور صرف اتنا ہے کہ تم نے  
ایک اچھی لڑکی کا انتخاب کیا لیکن وہ تمہارے لیے

اس کی بات سن۔ آخری بات پر وہ بھی ہنسا۔  
”دیکھ لے بی۔ میرے بیٹے کو ہاتھ بھی نہیں لگتا  
چاہے کسی کا۔ میں آ رہا ہوں۔“ اسفر صاحب اور  
لڑان بھی ساتھ بھاگے۔ سب کے لیے بہت عجیب اور  
حیران کن چویشن تھی۔ کہ آخر کیا ہو گیا تھا کہ وہ  
رشتہ ہی توڑ رہے تھے۔

”دیکھیں مجھے خود حرم سے بات کرنا ہے۔“ حرم  
کی انگارے چٹائی میں کو جلوید صاحب نے روکا وہ یہ  
جانتا چاہ رہے تھے کہ حرم کی بھی مرضی شامل ہے کہ  
نہیں۔

”کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو ایک مینے سے یہ رشتہ  
توڑنا چاہ رہی ہے۔ میں نے ہی اس کو روک رکھا تھا۔  
ہمارے ہاں رشتے بھانا بہت اہم ہوتا ہے۔ لیکن اس  
لڑکے نے بھی اس کی مرضی اس کی خواہش کو اہمیت  
ہی نہیں دی۔ وہ وہی کرے جو یہ چاہتا ہے۔ بس یہی  
اس کی خوشی ہے۔“

”آخر ایسا کیا ہو گیا ہے کہ دونوں کے بیچ اتنی غلط  
فہمیاں ہو گئیں۔“ محبت کو لڑان کے ساتھ گاڑی میں  
بٹھا کر اب اسفر صاحب قحل سے پوچھ رہے تھے۔

”دیکھیں بھائی صاحب۔ میری بچی نے اس  
سائیکو کے پیچھے لگ کے کیا نہیں کیا۔ لہکنیوٹیز چھوڑ  
دیں، دوست چھوڑ دیے۔ اب اپنے کزنز کے ساتھ  
ایک مینے کے لیے ورلڈ ٹور پر جانا چاہ رہی تھی۔ لیکن  
آپ کے بیٹے کو پتا نہیں کیا سوچیں۔ کتنے لگا کہ نہیں  
جاؤ گی۔ پتا بھلا۔“ جلوید صاحب جزیہ ہوئے۔

”لیکن۔“

”لیکن دیکھن چھوڑیں بھائی صاحب۔ رشتہ ختم  
ہی سمجھے۔“ اسفر صاحب کی بات کاٹ کر وہ بولیں۔  
”ٹھیک ہے۔ محبت کی طرف سے آپ کو اب  
پریشانی نہیں ہوگی۔ اور ہاں میرا بیٹا سائیکو نہیں  
غیرت مند ہے۔“

”شکریہ۔“ ہماری لہجے میں کہتے جلوید صاحب گھر  
سے نکل آئے۔  
”میں دیکھتا ہوں پاپا کیسے توڑتے ہیں وہ رشتہ۔“

مناسب نہیں تھی۔ اب جو ہو چکا سو ہو چکا۔ سب بھول کر آگے دیکھو۔ اپنے آپ کو رائے غلط فیصلے میں الجھائے رکھنے کے بجائے نئے صحیح فیصلے کرنے کی ترغیب دو۔" جلیوہ صاحب بھی کتب سائڈ نیبل پر رکھ کر دیرانہ سمجھاتے اس کے پاس آئے اور کندھے سے پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کر دیا۔

"میرا بیٹا آج بھی اتنی ہی قلیل ہے۔ جتنا چند مہینے قبل تھا۔ زندگی میں آنے والے انار چڑھاؤ گواہیے اور اتنا حلاوی نہ کرنا محب! کہ جب ہوا اور راستے پر آؤ تو زندگی ہمیں پہچان ہی نہ پائے۔" اور اسے گلے سے لگا لیا جیسے اس کی ساری ٹھکن خود میں جذب کر لیتا چاہتے ہوں۔



مدح ایٹل کی الماری سیٹ کر رہی تھی۔ جس کو دیکھ کر لگ رہا تھا کافی عرصے سے خبر نہیں لی تھی۔ ایٹل غصے میں لال بھجھو کا چہرے لیے اندر داخل ہوئی اور مدح کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"نیچے محب بھائی کی تم سے منگنی کی بات ہو رہی ہے۔ وہ آئے گا تمہارے پاس معافیاں تلافیاں کرنے۔ لیکن مدح تم انکار کرو گئی۔ سن رہی ہونا۔ میری مدح اتنی فالتو نہیں کہ جب چاہا مدح بھٹ کر دیا اور جب چاہا قبول کر لیا۔" ایٹل کے دل میں اپنی محبت دیکھ کر مدح کی آنکھیں بھیک نکلیں۔ غصے میں کانپتی ایٹل کو گلے لگایا۔

"تم پریشان نہ ہو میری جان۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کی بات پہ خود بھی حیران تھی لیکن اسے تسلی دی۔

"تم یہی نہیں کہو گی مدح۔ مانا کہ کبھی یہ میری زندگی کی بہت بڑی خواہش تھی لیکن اب نہیں۔ میرا بھائی تمہارے قاتل نہیں۔"

اور ابھی وہ دن بھی نہ گزرے کہ محب اس کے سامنے تھا وہ اسٹڈی نیبل کی چیریزر بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھی وہ بھی دو سری کرسی ٹھیکٹ کر ساتھ بیٹھ گیا۔

مشہور حراج کار اور شاعر  
انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،  
کارٹونوں سے مزین

آفٹ مطالعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

بہترین قیمت پر دستیاب



450/-	طرز نامہ	آوارہ گرد کی لازمی
450/-	طرز نامہ	دنیا کل ہے
450/-	طرز نامہ	ابن بطوطہ کے تعاقب میں
275/-	طرز نامہ	پچھلے ہوتے تھے کو بیٹے
225/-	طرز نامہ	میری مری میرا ساغر
225/-	طرز نامہ	مدح نامہ
225/-	طرز نامہ	اردو کی آخری کتاب
300/-	مجموعہ کلام	اس ہستی کے کوہے میں
225/-	مجموعہ کلام	چاندگر
225/-	مجموعہ کلام	دل دہشت
200/-	ایک کرائین پوائنٹ انشاء	اندھا کھانا
120/-	لوہری انشاء نظام	لاکھوں کا شہر
400/-	طرز نامہ	ہائیں انشاء جی کی
400/-	طرز نامہ	آپ سے کیا ہوا

بہترین قیمت پر دستیاب

مکتبہ عمران ڈائجسٹ  
37، اردو بازار، کراچی

”کیسی ہو۔؟“  
 ”ٹھیک ہوں۔“  
 ”کچھ ضروری بات کرنا تھی۔“ مہر مہر کر بول رہا تھا۔

”سن رہی ہوں۔“ سپاٹ لہجہ اس مکالمے کے لیے بالکل تیار تھی۔

”مجھے بچپن سے ہمارے رشتے کے بارے میں پتا تھا۔ لڑکپن میں پہنچا تو دل چاہا کہ وہ رشتہ جس کا مجھے اور اک ہے، اس کا احساس بھی ہونا چاہیے۔ تم بھی ریزو تھیں اور میں نے بھی کوشش نہیں کی۔ پھر برعکس اور جب کے بکھیر پڑیں یہ رشتہ کہیں لو جھل گیا۔ تم جیسے معمول کا حصہ لگیں۔ تم سے شادی کا مطلب مجھے لگا کہ زندگی میں کچھ نیا نہیں ہو گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے مدح کہ تم میں کوئی خالی ہے بلکہ خرابی تو میری سوچ میں تھی۔ میں کسی نئے پن کا متلاشی تھی۔“ وہ نظریں جھکائے اس کا لفظ لفظ سن رہی تھی۔

”اور پھر یوں ہے کہ مجھے ناپن راس نہیں آیا مدح منصور۔ مجھے تم ہی راس ہو۔ ایک اور اعتراف بھی کروں گا۔ میں آج تک جتنی بھی لڑکیوں سے ملا ہوں۔ تم ان سب سے اچھی ہو۔“ اس نے جیب سے کچھ نکالا۔

”لیکن اس تعریف کا یہ مطلب نہیں کہ میرے سارے قصور معاف ہو گئے۔ وہ رشتہ جو بھی نہ ہوتے ہوئے بھی تھا۔ جو میری ملاقاتی کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ اسے میں پھر جوڑنا چاہتا ہوں۔ تم بہت قیمتی ہو مدح۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اب کی بار فیصلہ تم کو۔ تم چاہو تو انکار کر دے۔ لیکن میں کبھی بھی نہیں چاہوں گا کہ تم ملنا بیابا پھوپھو کی خواہش کے احترام میں مجھے قبول کر دے۔ اسی لیے میں نے تم سے خود بات کرنا چاہی تھی تاکہ تم کسی کا بھی پریشہ نہ بنو۔ تمہارا ہر فیصلہ سراگتھوں پر۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔ ایک کرشل کی ڈیپے جس میں ہیرے کی انگوٹھی دھک رہی تھی اس نے ٹیبل پر رکھ دی۔

”اگر تم نے پسینہ تو میں سمجھوں گا کہ میری ساری خطائیں معاف ہو گئیں۔“ اور کمرے سے نکل گیا۔ وہ انگوٹھی کو دیکھتی رہی۔

”محبت کرنے والے فیصلہ کرتے وقت سوچتے نہیں محب۔“ محبت کا دعویٰ تو میرا تھا۔ انکار کر کے اپنے ان حرفوں کو کھل چھپائی جو تمہاری ذات سے منسوب ہو کر میری ڈائریوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ یہ مجھے کھل جینے دیتے۔ برسوں سے میں تمہاری محب ہوں۔ اب تم میرے محب بن جاؤ۔“ اس نے اپنے آنسو صاف کر لیے محبت کے سارے لفظ دھمل ڈالنے لگے۔ اور وہ ایشل کے جواب دینے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

”محبت سے بڑی کوئی دلیل نہیں ایشل۔“ اس جواب کے آگے ایشل کی ہر دلیل ہار گئی۔ اور ایشل سے تو محبت اپنا آپ پہلے ہی منوا چکی تھی۔ محبت کی دیوی نے ہاتھ پھیلا کر ان دونوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

مدح نے ایک ہفتے بعد واپس جانا تھا۔ اور حمد ان نے بھی اپنی کہانی کی طرف سے کروائے جانے والے ایڈوانس کو رس کے لیے تین ملا کے لیے نیا دارک جانا تھا۔ سوٹے ہوئے کہ محب اور مدح کی شادی میں حمد ان اور ایشل کا بھی نکاح کر دیا جائے اور حمد ان کی واپسی پر رخصتی۔ تب تک ایشل بھی امتحانات سے فارغ ہو جائے گی۔

”سب ملے ہو گیا ہے۔ لیکن تم نے نہ ہاں کی نہ ہاں کی۔ کچھ تو بتاؤ۔“ حمد ان کا مسیح پڑھ کر دھمکرا اٹھی۔

”قاضی صاحب کے سامنے ہی بتاؤں گی۔“ جواب کے ساتھ ایک اسماعیلی بھی بھیج دی۔

”فکر کر اسٹو۔“ جوابی مسیح۔



پوشائی مسجد میں نکاح کا انتظام کیا گیا۔ دونوں کے ایک جیسے جوڑے تھے۔ وائٹ کے ساتھ سلور کالم۔ البتہ دوپٹوں کے کمر مختلف تھے۔ ایٹل کا اور سبز اور مدح کا ریڈ۔ جب کہ محب اور حمدان کی وائٹ کرنا شلواری کے اوپر بلیک ویسٹ کوٹ کے ساتھ چمب ہی زالی تھی۔ ایجاب و قبول کے مراحل طے ہوئے۔ مسلمان کے کھانے کا انتظام کھر کے لان میں تھا۔ سو سب گھر پہنچے ایٹل اور مدح کمرے میں پہنچی ہی تھیں کہ دروازے کی دستک یہ چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ مدح دروازہ کھولنے کو بڑھی۔

”اجازت ہو تو کچھ بات کرنی ہے“ حمدان مدح سے ریکونسلٹ کر رہا تھا۔ ڈریسنگ کے سامنے کھڑی ایٹل کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

”جی ضرور۔ مگر خیال رہے کہ صرف نکاح ہوا ہے۔“ مدح مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ بند کر کے دو دھیرے دھیرے چلتا پاس آ گیا۔

”سنا ہے آج آپ کا نکاح ہوا ہے۔ مبارک ہو۔“ اس کا روپ آنکھوں میں سموئے ہوئے ذرا جھک کر بولا۔

”اور سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ آپ کے بڑے بھائی کمل لگ رہے تھے۔“ اور شرارتی ہوا۔

”جی میں نے بھی آپ کے نکاح کا سنا۔ اور یہ بھی سنا کہ آپ کی دلہن جیسی حسین دلہن آج تک کسی نے دیکھی نہیں۔“ وہ بھی اسی کے انداز میں دوپٹو ہوئی۔

”جی۔ بالکل صحیح سنا آپ نے۔“ مسکرا ہوا بھائی بولا۔

”سچ بتاؤں تو کورس پہ جانے کا بالکل دل نہیں کر رہا۔ دل رخصتی کی ضد کر رہا ہے۔“ حمدان کا نیا روپ دیکھ کر وہ جھینپ گئی۔

”اب آپ جائیں حمدان بھ۔“

”بس بس۔ بھائی نہ کہہ دیتا۔ ابھی ابھی قاضی کو پیسے دے کر آیا ہوں۔“ جلدی جلدی بولتے اسے روکا۔

جیب سے کچھ نکالا۔

”یہ لو۔ میری انگوٹھی۔“ وہ سوالیہ نظروں سے

اسے دیکھنے لگی۔

”بھئی وہ انگوٹھیاں تمہیں دے چکا ہوں۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے پہنانے کا شرف کسی ایک کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ تو سوچا یہ حسرت ہی نہ رہ جائے۔ ہاتھ دو۔“ ہلکے پھلکے انداز میں کہتے اس کا لرزنا ہاتھ تھام لیا۔

”نکاح مبارک ہو۔“ انگوٹھی پہنائی۔

”آپ کو بھی۔“ شرارتے ہوئے بولی۔

”سوچ رہا ہوں تین مہینے کیسے گزر رہے۔“

”پہاڑوں پہ جانے کا پلان کر لیجئے گلہ۔“ کچھ یاد دلاتی تنگ کر بولی۔

”ہوم۔“ آئینہ برا نہیں۔“ بے ساختہ قہقہہ روکتے ہوئے بولا۔

”جھلسن نہ ہونا اس سے۔“ وہ صرف دوست ہے اور میں اس کی ہلپ کر رہا تھا۔“ اسے تسلی دے رہا تھا گویا۔

”مجھ جیسے خشک مزاج بندے سے شادی تو کر لی ہے۔ اب دوستی بھی کر لی لو۔“ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”شادی تو تلوانی میں ہو گئی۔ اب دوستی سوچ سمجھ کر ہی کروں گی۔“ وہ بھی ذرا سا اترا تلی۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔

”چلو نیک یور ٹائم۔“ ویسے بار وہ اٹھا رہے والے جھوٹ کچھ زیادہ بونگا نہیں تھا۔ ”کچھ یاد کر کے اس کا مذاق اڑاتے بولا تو وہ جھینپ گئی۔ اچانک میوزک کی تیز آواز نے انہیں متوجہ کیا۔ وہ آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل آئے۔ لاؤنج کا منظر واضح تھا۔ اذانِ حلق کے بے بنے کو اٹھائے وائٹس کر رہا تھا۔ محب اور مدح کے ارد گرد جمع سب لوگ حلق کی بیوی کو بھی پرو تو کول دے رہے تھے۔ ان کی آمد سے خوشیاں دوپلا ہو گئیں۔ حمدان نے ممنون نگاہوں سے ایٹل کو دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس مکمل منظر کا حصہ بننے چل دیا۔

اس شرمیلت کی خبر۔ جس میں ہر رشتے کے

جڑنے کی وجہ صرف محبت تھی۔